

ایم اے اسلامیات اور مدارس دینیہ کے طلباء کیلئے ایک قیمتی اور نادر تحفہ

اصولِ اسلامی (اُردو)

سوالاً جواباً

محمد صدیق تہجدی

مکتبہ تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان

جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوهاری دروازہ لاہور

شفیق محمد شفیق عطار

۱۰

ایم اے اسلامیات اور مدارس دینیہ کے طلباء کیلئے ایک قیمتی اور نادر تحفہ

اصول الشریعہ (اردو)

سوالا جواباً

محبوبہ صدیق نزاری

مکتبہ اسلامیہ سعیدیہ عثمان آباد مانسہرہ

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

نام کتاب: _____ اصول الشاشی (اردو) سوال جواب

مؤلف: _____ محمد صدیق ہزاروی سعیدی

کتابت: _____ محمد نعیم حضرت کیڈیا نوالہ

تصحیح: _____ محمد عارف سعید ہمدانی

تاریخ اشاعت: _____ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

ہدیہ: _____ روپے

ناشر: _____ مکتبہ اسلامیہ سعیدیہ عثمان آباد (حدوبانڈی)

داخلی چھپڑہ تحصیل و ضلع مانسہرہ (ہزارہ)

ملنے کا پتہ

مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور

یا

مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری

گیٹ لاہور (۸)

مَعْرُوضہ

مَحَمَّدٌ ﷺ وَتُصَلَّى عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

کسی زمانے میں مدارس دینیہ کے طلباء و نصیبی کتب کے مثل مقامات عربی حواشی اور شروح کی مدد سے حل کرتے تھے اور تراجم یا شروح کا تصور بھی ناپید تھا۔ لیکن جوں جوں زمانہ آگے بڑھتا گیا اور مادی آسائشوں نے پورے معاشرے کو اپنی پیٹ میں لے لیا تو دینی مدارس کا طالب علم اس ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا جس کے نتیجے میں تن آسانی اور سہل پسندی اس کا مقتدر بن گئی۔

چنانچہ درس نظامی میں شامل کتب کے اردو ترجمہ اور تشریح و توضیح کی ضرورت محسوس کی گئی گو اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ یہ طریق کار علم میں اضافہ کی بجائے موجب تنزل ہے۔ الحمد للہ ابھی تک دینی مدارس کے طلباء مجموعی طور پر ان تراجم اور شروح کی زد میں نہیں ہیں اصل عربی اور فارسی کتب کا مطالعہ کرتے اور پڑھتے ہیں تاہم قلت وقت کے بیشی نظر اردو میں لکھی گئی معاون کتب کی ضرورت اپنی جگہ باقی ہے۔

درس نظامی کی متعدد کتب اردو میں منتقل ہو چکی ہیں اور کچھ ہو رہی ہیں اصول فقہ کی معروف کتاب اصول الشاشی اردو ترجمہ کے ساتھ سوال و جواب کی صورت میں اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی کتب کو حل کرنے اور سمجھنے کے لیے سوال و جواب کا

اندازہ ایک نہایت مؤثر طریقہ ہے اس لیے راقم نے مناسب سمجھا کہ طلباء کو دکھائے گئے سوالات و جوابات کو زیور طبع سے آراستہ کر کے عمومی فائدہ کا باعث بنایا جائے جیسا کہ آپ محسوس کریں گے اس کتاب کو خلاصے یا ٹنٹ پیپر کی صورت میں پیش نہیں کیا گیا بلکہ مکمل کتاب نے ایک دوسری شکل اختیار کی لیکن انداز ایسا اختیار کیا گیا کہ اصل کتاب کی ضرورت اپنی جگہ باقی ہے یہی وجہ ہے کہ آیات و احادیث اور مثالوں کا اردو ترجمہ بھی نہیں کیا گیا گویا اس کتاب سے وہی طالب علم فائدہ اٹھا سکتا ہے جس نے اصل عربی کتاب کو پڑھا ہو۔

امید ہے کہ اس سے ایک طرف طلباء کو اصول اشاشی کے سمجھنے میں آسانی ہوگی اور دوسری جانب اکابر کو اس بات کا شکوہ نہیں ہوگا کہ طلب علم کو علم سے بے بہرہ کر دیا گیا۔
 اصول اشاشی کا اردو ترجمہ بھی مکمل ہو چکا ہے انشاء اللہ مختصر تشریح و توضیح کے ساتھ یہ کتاب بھی جلد ہی منظر عام پر آجائے گی۔

یہ کتاب دینی مدارس کے طلباء کے علاوہ ایم اے اسلامیات کے طلباء کی اہم ضرورت ہے عزیزان عارف سعید اور قاری محمد ظہیر رحمت اللہ علیہما جامعہ نظامیہ رضویہ کائنات میں انہوں نے مسودہ کی تیاری میں بھرپور معاونت کی۔ اللہ تعالیٰ عزوجل ان کی عمر اور علم میں برکت عطا فرمائے اور اس کتاب کو شرف قبولیت عطا فرما کر مفید عام بنائے۔ آمین۔

محمد صدیقی ہزاروی

جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ	نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	اصول فقہ حرامانی	۷	۱۳	امر کا بیان	۴۷
۲	اصول فقہ حیدرآبادی	۷	۱۴	امر مطلق	۴۸
۳	اصول فقہ تہذیبیہ اور وجہ حضور	۸	۱۵	ماور بہ کی اقسام	۵۲
	قرآن مجید		۱۶	حسن ماور بہ	۵۸
			۱۷	اداء و قضا	۵۹
۴	خاص و عام کا بیان	۹	۱۸	بہنی کا بیان	۶۶
۵	مطلق و مقید کا بیان	۱۶	۱۹	معرفت انصوحی	۷۰
۶	مشترک، مؤول اور مفسر کا بیان	۲۰	۲۰	ضعیف دلائل	۷۲
۷	حقیقت و مجاز کا بیان	۲۳	۲۱	بامعنی حروف	۷۳
۸	استعارہ کا بیان	۲۹	۲۲	قرنی بیان	۹۵
۹	صریح اور کنایہ کا بیان	۳۲	۲۳	بیان تقریر	"
۱۰	متعابلات	۳۳	۲۴	بیان تفسیر	۹۶
۱۱	لفظ کا حقیقی معنی ترک کرنا	۳۸	۲۵	بیان تفسیر	۹۷
۱۲	متعلقات انصوحی		۱	بیان ضرورت	۱۰۱

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین	صفحہ
۱۲۲	صحیح قیاس کی شرائط	۳۰	۱۰۳	بیان مال
۱۳۴	قیاس پر اعتراضات	۳۱	۱۰۳	بیان عطف و بیان تبدیل
۱۳۸	سبب اور علت	۳۲	۱۰۵	سنن رسول
۱۴۲	اسباب احکام	۳۳		(صلی اللہ علیہ وسلم)
۱۴۶	شرعی موانع	۳۴		
۱۴۹	ماہورات شریعہ	۳۵	۱۱۳	اجماع
۱۵۰	عزیمت درخصت	۳۶	۱۱۸	منزوت قیاس اور اہمیت نفس
۱۵۲	عدم دلیل سے استدلال	۳۷	۱۲۱	قیاس

اصول فقہ کی تعریف :- اصول فقہ کی تعریف دو طرح کی جاتی ہے۔

۱۔ **مصادفاتی :-** مضاف یعنی اصول کی الگ اور مضاف الیہ یعنی فقہ کی

الگ تعریف کی جاتی ہے اور وہ یوں ہے۔ اصول، اصل کی جمع ہے۔ جس کا لغوی معنی۔
موقوف علیہ ہے یعنی وہ چیز جو کسی دوسری چیز کے لیے بنی ہوئی ہے۔ اصطلاحاً اصل کے معنی میں

اول: اصل کا معنی راجح ہے جیسے کہا جاتا حقیقت، بجز ان کی نسبت اصل ہے یعنی اسے ترجیح حاصل ہے

دوم: اصل یعنی قانون اور قاعدہ۔ کہا جاتا ہے فاعل کفر فخرج ہونا اصل بخلاف ایک اصل (قاعدہ)

سوم: اصل کا معنی دلیل ہے۔ کہا جاتا ہے امیر الصلوٰۃ وجوب نماز کا اصل (دلیل) ہے۔

چہارم: اصل، استصحاب کے معنی میں، آتا ہے کہا جاتا ہے پانی کا پاک ہونا اصل ہے یا اشیا

میں اصل اباحت ہے۔

یہاں اصل سے مراد دلیل ہے کیونکہ جب لفظ اصل کسی علم کی طرف مضاف ہوتا ہے

سے دلیل مراد ہوتی ہے۔

فقہ: احکام شرعیہ علیہ کو ان کے تفصیلی دلائل کے ساتھ جانا فقہ ہے۔

حدیثی: اس اعتبار سے کہ اصول فقہ ایک مخصوص علم کا لقب ہے اس کی تعریف حدیثی کہلاتی

ہے۔ اصول فقہ کی حدیثی یوں ہے۔

وہ علم جس میں احکام کے لیے ثبوت دلائل سے بحث کی جائے۔

موضوع: اس علم کا موضوع اولہ اور احکام ہیں، ایک قول کے مطابق فقط اولہ ہیں پہلا

قول سناتا ہے۔

غرض: اس علم کو حاصل کر لی غرض یہ ہے کہ شریعت کے احکام فریہ کو تفصیلی دلائل کے ساتھ جانا جائے

اصول فقہ، تعداد اور وجہ حصر

سوال نمبر ۱: اصول فقہ کتنے اور کون کون سے ہیں۔ نیز ان کی وجہ حصر کیا ہے؟
 جواب : ۱۔ اصول فقہ چار ہیں۔ ۱۔ کتاب اللہ۔ ۲۔ سنت رسول اللہ۔
 ۳۔ اجماع اُمت۔ ۴۔ قیاس۔

وجہ حصر : دلائل اولہ شرعیہ۔ یا اصول فقہ دو حال سے خالی نہیں شارع کا قول ہوگا یا غیر شارع
 کا۔ اگر شارع کا قول ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا اور
 ”قرآن پاک“ ہے یا رسول اللہ کی طرف سے اور یہ ”سنت رسول“ ہے۔
 غیر شارع کا قول بھی دو صورتوں میں ہوگا یا تو قطعی ہوگا اور یہ ”اجماع اُمت“
 ہے یا ظنی ہوگا اور یہ ”قیاس“ ہے۔

قرآن مجید

خاص و عام کا بیان

سوال نمبر ۲: خاص اور عام کی تعریف کریں اور مثالیں دیں۔
جواب: خاص وہ لفظ ہے جو کسی معلوم معنی یا معلوم مسمیٰ کے لیے انفرادی طور پر وضع کیا گیا ہو۔

تخصیصِ فرد کی مثال جیسے ”زید“، تخصیصِ نوع کی مثال جیسے ”دُجبل“ اور تخصیصِ جنس کی مثال جیسے ”انسان“ ہے۔

عام کی تعریف: یہ وہ لفظ ہوتا ہے جو افراد کی ایک جماعت کو لفظاً یا معنئاً شامل ہو۔

لفظی عام کی مثال ”مُشَلِّمُونَ“ اور ”مُشْرِکُونَ“۔

اور معنوی عام کی مثال ”مُحَنّ“ اور ”مُحَا“۔

سوال نمبر ۳: آپ نے یہاں جنس کی مثال میں انسان اور نوع کی مثال میں دُجبل پیش کیا ہے حالانکہ اہل منطق کے نزدیک جنس کی مثال حیوان اور نوع کی مثال انسان سے دی جاتی ہے۔

جواب: منطقوں اور اہل اصول کے نزدیک ان کی تعریفوں میں فرق ہے منطقی حقائق سے بحث کرتے ہیں جبکہ اصولی ماغراض سے بحث کرتے ہیں لہذا ان کے نزدیک

جنس وہ کلی ہے جو ایسے کثیرین پر بولی جائے جن کی حقیقتیں مختلف ہوں۔
جبکہ اصولیوں کے نزدیک جنس وہ کلی ہے جو ایسے کثیرین پر بولی جائے جن کی
اغراض مختلف ہوں۔

اسی طرح نوع کی تعریف میں بھی فرق ہے۔ چونکہ انسان کے افراد ایک حقیقت
رکھتے ہیں لہذا یہ منطقیوں کے نزدیک نوع ہے۔
اور انسان کے افراد مثلاً مرد اور عورت کی غرض الگ الگ ہے لہذا یہ
اصولیوں کے نزدیک جنس ہے۔

سوال نمبر ۴: قرآن پاک کے غاس کا حکم کیا ہے؟ اور اگر اس کے مقابلے میں
خبر واحد نبیاس آجائے تو کیا کیا جائے گا؟
جواب: قرآن پاک کے غاس پر قطعی طور پر عمل واجب ہوتا ہے اور اگر اس کے
مقابلے میں خبر واحد یا نبیاس آئے تو ان کو اس طرح جمع کرنے کی کوشش کی جائے گی
کہ دونوں پر عمل ہو سکے۔ اگر یہ ممکن ہو نہ سکے گا تو خبر واحد اور نبیاس کو چھوڑ
دیا جائے گا۔

سوال نمبر ۵: اس ضمن میں صاحب کتاب نے جو مثالیں پیش کی ہیں ان کا مختصر مگر
جامع ذکر کریں؟

جواب: اس سلسلے میں صاحب کتاب نے تین مثالیں پیش کی ہیں۔

نمبر ۱: یَقْرَبُ بَصْنِ يَا نَفْسُ مِنْ تَلْثَةِ قُرُوءٍ

نمبر ۲: قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ

نمبر ۳: فَإِنْ طَلَقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ أَنْ يَكُونَ رَجُلًا غَيْرَهُ

پہلی مثال میں لفظ ”ثَلَاثَةِ“ دوسری میں ”فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ“ اور تیسری میں ”تَكُونُ“ کا لفظ
خاص ہے۔

پہلی مثال میں یہ بات ثابت کی گئی ہے کہ طلاق والی عورتیں تین قردود مدت گزاریں
یہاں لفظ ثلثہ پر عمل کرنا ضروری ہے۔
قردود کے دو معنی ہیں۔ طہارت اور سنیں۔

احناف کے نزدیک یہاں قردود سے ”حیض“ مراد ہے کیونکہ ظہر مراد لینے کی
صورت میں لفظ ثلثہ پر عمل نہیں ہو سکتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق ظہر کی حالت
میں دی جائے گی۔

اب اگر قردود سے ظہر مراد لیں تو تین ظہر پورے نہیں ہوتے کم یا زیادہ ہو جاتے
ہیں جب کہ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ اس سے ظہر مراد ہے دوسری مثال سے
یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مہر کی کم از کم شرعی مقدار مقرر ہے جس کی طرف اشارہ لفظ
فَرَضْنَا سے ہوتا ہے لہذا اگر نکاح کو عقد مالی سمجھتے ہوئے زوجین کی رائے کا
اعتبار کیا جائے تو قرآن پاک کے خاص پر عمل نہیں ہوتا۔

تیسری مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ تعلقہ عورت پناہ نکاح کرنے کا اختیار
رکھتی ہے کیونکہ اگر اسے اختیار نہ دیا جائے اور دلی کی اجازت ضروری قرار دی جائے
تو تنکیج پر عمل نہیں ہو سکتا۔ جب کہ یہ منہج کا سیغہ ہے اور اس میں نکاح کرنے کا
اختیار عورت کو دیا گیا ہے۔

سوال نمبر ۴: ان تینوں مثالوں کے ضمن میں احناف اور شوافع کا کیا اختلاف ہے
اور اس اختلاف کی بنیاد پر جو مسائل متفرع ہوئے ہیں ان کا ذکر کیجئے؟

جواب: لفظ قردود سے ہمارے نزدیک ”حیض“ اور امام شافعی کے نزدیک ظہر
مراد ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں قردود تائید کی تین جگہیں ہیں جس کا مطلب یہ
ہوا کہ وہ مذکور ہے لہذا یہاں ظہر مراد ہو سکتا ہے کیونکہ لفظ ظہر مذکور ہے۔ اس
اختلاف کی بنیاد پر تیسرے حیض میں ہمارے نزدیک عدت ابھی مدت گزار رہی ہوگی

لہذا اس سے رجوع ہو سکتا ہے۔ اُسے روکا جا سکتا ہے۔ سکونت اور نفقہ دیا جائے گا۔ غلط کر سکتی ہے۔ طلاق دی جا سکتی ہے۔ اس کی بہن سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ چار عورتیں نہیں رکھ سکتا اور اس کے لیے میراث کے احکام ثابت ہوں گے۔

جب کہ امام شافعی کے نزدیک تیسرے حیث میں رجوع نہیں کر سکتا۔ اس کے غیر کے ساتھ وہ نکاح کر سکتی ہے اُسے روکا نہیں جا سکتا۔ خاوند پر اس کی سکونت اور نفقہ لازم نہیں ہو سکتا۔ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے اس کے علاوہ چار عورتیں رکھ سکتا ہے اور اس عورت کے لیے خاوند کی وراثت نہایت نہیں ہوگی دوسرے مسئلے کے بارے میں احناف کا مسلک یہ ہے کہ مہر کی مقدار چونکہ شریعت نے مقرر کی ہے لہذا وہ زوجین کی رائے پر موقوف نہیں ہوگی۔

جب کہ امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ نکاح بھی عقد مالی ہے۔ لہذا ازوجین عین مہر پر منتفی ہو جائیں وہی مقرر ہوگا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یہ اختلاف کم از کم مہر کے بارے میں ہے۔ اپنے اس مسلک کی بنیاد پر امام شافعی نے یہ فرمایا ہے کہ چونکہ نکاح ہی ایک قسم کا سودا ہے لہذا نکاح میں مشغول ہونے سے نقلی عبادت میں مشغول ہونا افضل ہے اسی طرح نکاح کو طلاق کے ساتھ باطل کرنا جائز ہے چاہے تینوں اکٹھی دے یا الگ الگ۔ نیز ان کے نزدیک تینوں طلاقیں اکٹھی دینا بھی جائز ہیں اور نکاح کا خلع کے ساتھ فسخ ہونا بھی جائز قرار دیا ہے۔ تیسرے مسئلے میں اختلاف یہ ہے کہ احناف کے نزدیک بالغہ عورت نکاح کرنے کا خود اختیار رکھتی ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک اگر وہ دلدار کی اجازت کے بغیر نکاح کرے تو یہ نکاح باطل ہوگا۔

ہماری دلیل قرآن پاک کی وہی آیت ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جب کہ

امام شافعی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ”جو عورت دلی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کوئے اس کا نکاح باطل ہے“ اس اختلاف کی بنیاد پر اگر کسی عورت نے دلی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو عاقلے نزدیک اس کی ساتھ وطی جائز ہے، مہر، نفقہ اور سکونت لازم ہو جائے گا۔ اور طلاق دی تو وہ بھی واقع ہو جائے گی اور اگر تین طلاقیں دیں تو حکام کے بغیر جائز نہیں ہوگی۔

جب کہ امام شافعی کے نزدیک اس کے برعکس ہوگا کیونکہ ان کے نزدیک یہ نکاح نہیں ہوا۔ البتہ متاخرین شوافع نے تین طلاقیں کے بعد نکاح کے سلسلے میں احناف کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ یعنی خلاصہ کے بغیر دوبارہ اس سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔

سوال نمبر ۱: عام کی کتنی اور کون کون سی قسمیں ہیں؟
جواب: عام کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ عام مخصوص البعض۔ یعنی جس سے بعض کو خاص کیا گیا۔ ۲۔ عام غیر مخصوص البعض۔ یعنی جس سے کسی فرد کو مخصوص نہیں کیا گیا۔

سوال نمبر ۲: عام غیر مخصوص البعض کا حکم اور نتائج کیا ہیں؟
جواب: یہ عام، مردم عمل کے اعتبار سے خاص کی طرح ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے۔ ”السَّارِقُ وَالْمُتَّارِقَةُ قَاتِلَتَا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا“ (آیت)۔ یہاں کلمہ ”مُتَّارِقَةُ“ عام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ چور سے جو کچھ مرزد ہوگا اس کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ لہذا اگر کسی چور سے چوری کا سامان ہلاک ہو جائے پھر اس کا ہاتھ کاٹا جائے تو عمل کی ضمانت نہیں ہوگی کیونکہ ہاتھ کاٹنا اس کے تمام عمل کی سزا ہے اور ضمان کی صحت میں یہ تمام عمل کی سزا نہیں بنتی بلکہ دونوں سزائوں کا مجموعہ سزا

قرار پائے گا۔ اور یہ قرآن پاک کے عام کے خلاف ہے۔ کلمہ مساک کے عام ہونے پر دلیل یہ ہے کہ امام محمد نے فرمایا جب کوئی آدمی اپنی لونڈی سے کہے "اِنَّكَ كَانَتْ مَعِيَ بَطْنِي حَسْلًا مَا قَانَتْ حُرَّةً" اب اس لونڈی کے ہاں لڑکا اور لڑکی جنم پید ہوئے تو وہ آزاد نہیں ہوگی کیونکہ لفظ مساک کا تقاضا ہے کہ اس کا پورا عمل صرف لڑکے پر مشتمل ہو جب کہ یہاں آدمی حامل لڑکے پر مشتمل ہے اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عامیہ کے لیے آتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ مساک کی عمومیت پر ایک فقیہ کے قول سے استدلال کیسے صحیح ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام محمد جس طرح آئمہ فقہاء میں سے ہیں۔ اسی طرح آئمہ لغت میں سے بھی ہیں۔

یہاں ہم نے ان کے امام لغت ہونے کا اعتبار کیا ہے۔ مساک کی عمومیت پر قرآن پاک سے ایک اور مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فَاَقْرَءُوا" (مَا تَكْسَرُ مِنْ الْقُرْآنِ) جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک سے جہاں سے بھی آسان معلوم ہو غار میں پڑھا جاسکتا ہے اور عمومیت کا تقاضا ہے کہ فاتحہ کی قراءت پر جواز موقوف نہیں۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ فاتحہ کتاب کے بغیر غار نہیں ہوتی اب ہم اس طرح عمل کریں گے کہ قرآن پاک کے عام پر بھی عمل ہو جائے اور حدیث شریف پر بھی۔ لہذا مطلق قراءت حکم کتاب سے فرض قرار پائے گی اور فاتحہ کا پڑھنا حدیث کی رو سے واجب ہوگا۔

ایک اور مثال قرآن پاک کی یہ آیت ہے "وَلَا تَأْكُلُوا أَمْثَالَكُمُ يُذَكِّرُ اللَّهُ عَلَيْه" یہاں لفظ مساک کا تقاضا ہے کہ جس ذبیحہ پر جان بوجھ کر بسم اللہ پڑھی جائے اس کا کھانا جائز نہیں اس کے مقابلے میں ایک حدیث ہے حضور علیہ السلام سے اس چیز کے بارے میں پوچھا گیا جس پر ذبح کے وقت جان بوجھ

کر ہم اللہ چھوڑ دی گئی ہو۔ آپ نے فرمایا کھاؤ کیونکہ ہر مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا نام ہوتا ہے

اب یہاں آیت اور حدیث میں موافقت ممکن نہیں۔ کیونکہ اگر جان بوجھ کر چھوڑنے سے ذبیحہ کا حلال ہونا ثابت ہو گیا تو بھول کر چھوڑنے سے بھی اس کی حلت ثابت ہو گی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ کتاب اللہ کا حکم بالکل ختم ہو گیا۔ اور اس کا کوئی فرد بھی باقی نہ رہا لہذا یہاں حدیث کو چھوڑ دیا گیا۔ اسی طرح قرآن پاک میں ہے کہ "وَأَمَّا هَتَّكُمُ التَّنَائُفُ" اَرْضَعْتُمْ كُمُ، تم پر تمھاری وہ مائیں بھی حرام ہیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا۔ عموم آیت کا تقاضا ہے کہ دودھ پلانے والے سے نکل مطلقاً حرام ہے۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک کش اور دو کش اور ایک چوسنی یا دو چوسنی حرام نہیں ہیں۔ یہاں آیت اور حدیث میں موافقت ممکن نہیں۔ لہذا حدیث کو چھوڑ دیا جائے گا۔

سوال نمبر ۹: عام مخصوص ابھٹن کا کیا حکم ہے؟ نیز اس میں کس چیز کے ساتھ تخصیص ہو سکتی ہے؟

جواب: جب عام کے بعض افراد کو مخصوص کر دیا جائے تو باقی میں تخصیص کا احتمال بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ تخصیص دلیل قطعی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کے بعد باقی میں خبر واحد یا قیاس کے ساتھ تخصیص کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے تین افراد باقی رہ جائیں۔ اس کے بعد اس میں تخصیص کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ تخصیص کی صورت میں وہ منسوخ شمار ہوگا۔ حالانکہ خبر واحد یا قیاس کے ساتھ نسخ جائز نہیں۔ نسخ کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔

سوال نمبر ۱۰: خبر واحد یا قیاس کے ساتھ عام کی تخصیص کیوں جائز ہے؟

جواب: یہ اس لیے جائز ہے کہ جب پہلی بار تخصیص دلیل نے عام کے تمام افراد سے بعض افراد کو نکالا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ وہ بعض افراد معلوم ہوں گے یا مجہول۔

مجهول ہونے کی وجہ سے ہر فرد معین میں تخصیص کا احتمال ہوگا۔ لہذا باقی افراد کے بارے میں جائز ہے کہ وہ حکم عام کے تحت رہیں یا دلیل مخصوص کے تحت داخل ہوں۔ اس بنیاد پر ہر فرد معین میں دونوں طریقے برابر ہوں گی۔ اب جب کوئی دلیل شرعی اس بات پر قائم ہوگئی کہ یہ فرد ان افراد میں سے ہے۔ جو دلیل مخصوص کے تحت داخل ہیں تو اس کی تخصیص دلی جانب رائج ہو جائے گی اور اگر تخصیص نے تمام افراد سے بعض معلوم افراد کو نکالا ہے تو جائز ہے کہ وہ علت جو ان تمام افراد میں پائی جاتی ہے باقی افراد میں سے کسی فرد معین میں بھی پائی جائے۔ اب جس وقت اس فرد معین میں اس علت کے پائے جانے پر کوئی دلیل شرعی قائم ہوگئی تو تخصیص کی جانب رائج ہو جائے گی اور اس پر عمل کیا جائے گا اور یہی احتمال باقی افراد میں بھی ہوگا۔ لہذا احتمال کی وجہ سے دلیل طنی بھی کفایت کرتی ہے۔

مطلق اور مقید کا بیان

مواہضہ: مطلق اور مقید کی تعریف کریں اور ان کا حکم بیان کریں؟
 جواب: مطلق وہ ہے جس میں محض ذات کا اعتبار کیا جائے کوئی صفت ملحوظ نہ ہو۔ جبکہ مقید میں ذات کے ساتھ صفت کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔
 قرآن پاک کے مطلق پر جب تک عمل ممکن ہو خبر واحد اور قیاس کے ساتھ اس پر زیادتی جائز نہیں۔

اس کی مثال قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَاَطِيعُوا اَوْحٰیَ حٰکِمٰہُمْ"۔
 یہاں مطلق دھونے کا حکم ہے۔ لہذا نیت، ترتیب، موالات اور بسم اللہ جو حدیث سے ثابت ہیں انہیں فرض نہیں مانا جائے گا کیونکہ اس طرح قرآن پاک کا مطلق اپنے اطلاقی پر باقی نہیں رہتا۔ لہذا مطلق دھونا فرض ہوگا۔ اور باقی چیزیں سنت قرار پائیں گی۔

اس طرح قرآن پاک کے مطلق پر زیادتی بھی نہیں ہوگی اور حدیث پر بھی عمل ہو جائے گا۔ دوسری مثال قرآن پاک کی یہ آیت ہے ”الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةً جَلْدًا“ قرآن پاک نے زنا کی حد سٹو کوڑے مارنا قرار دیا ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کو سٹو کوڑے مارے جائیں۔ اور ایک سال کے لیے محک بدر کیا جائے۔ اگر اس سزا کو بھی حد قرار دیا جائے تو قرآن پاک کے مطلق پر زیادتی ہوگی۔ لہذا کوڑے مارنا حد قرار پائے گا اور محک بدر کرنا محض جہاز ہوگا۔ اور اسے سیاست کہیں گے۔

تیسری مثال آیت کریمہ ”وَلْيَطَّوُّوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ“ ہے۔ یہاں بیت اللہ شریف کے طواف میں وضو کی شرط نہیں ہے۔ جب کہ حدیث شریف سے طواف کے لیے وضو ثابت ہوتا ہے۔

اگر ہم وضو کو فرض قرار دیں تو قرآن پاک کے مطلق پر زیادتی ہوگی لہذا مطلق طواف فرض ہوگا اور حدیث کی روشنی میں وضو کا واجب ہوگا۔ جس کے چھوڑنے پر دم لازم ہوگا۔ قرآن پاک میں ہے ”وَاذْكُرُوا مَعَ الزَّانِكَيْنِ“ اس آیت میں مطلق رکوع کا ذکر ہے تعدیل کا ذکر نہیں ہے۔ جب کہ تعدیل حدیث شریف سے ثابت ہے اگر تعدیل کو بھی فرض قرار دیں تو قرآن کے مطلق پر زیادتی ہوگی۔ لہذا مطلق رکوع فرض ہوگا اور حدیث کے تحت تعدیل واجب ہوگی۔

سوال نمبر ۱۲: مطلق اور مقید کی بحث میں بتائیں کہ زعفران کے پانی اور صابن پانی میں کوئی پاک چیز مل کر اس کا کوئی وصف بدل دے اس سے وضو جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ضابطہ یہ ہے کہ مطلق اپنے اطلاق پر اور مقید اپنی تعقید پر جاری ہوتا ہے لہذا پانی جب تک مطلق کہلائے گا اور کسی وصف سے مقید نہیں ہوگا اس وقت تک

اس سے وضو کرنا جائز ہے اور تقیم کی اجازت نہیں ہوگی۔ لیکن جب کسی وصف کی قید سے مقید ہو کر مطلق ذر ہے تو اس سے وضو جائز نہیں ہوگا۔ صورت مسئلہ میں وضو وغیرہ میں پانی ماء مطلق شمار ہوتا ہے۔ کیونکہ صافیت کی قید نے اس سے پانی کا نام زائل نہیں کیا بلکہ اس کو پاک کیا ہے۔ لہذا یہ بھی مطلق پانی کے حکم میں ہوگا۔ کیونکہ اگر ہم یہ شرط رکھیں کہ وہ پانی اسی صفت پر ہونا چاہیے جس صفت کے آسمان سے نازل ہوا تو مطلق کو مقید بنانا ہے جو جائز نہیں۔

سوال نمبر ۱۳: ماء نجس سے بھی وضو جائز ہونا چاہیے کیونکہ یہاں بھی پانی کا نام باقی ہے لہذا یہ ماء مطلق ہے؟

جواب: نجس پانی سے اس لیے وضو جائز نہیں ہے کہ وضو کا بنیادی مقصد طہارت کا حصول ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ كُمْ** (لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے، چونکہ نجس پانی سے طہارت حاصل نہیں ہو سکتی لہذا اس سے وضو بھی جائز نہیں ہوگا۔)

سوال نمبر ۱۴: اس آیت تفسیر سے ایک مسئلہ اشارتاً ثابت ہوتا ہے وہ کیا ہے؟ یا وجوب وضو کے لیے حدیث شرط سے قرآن سے ثابت کریں؟

جواب: وجوب وضو کے لیے حدیث شرط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: **وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ كُمْ** آیت کریمہ میں تفسیر کا ذکر ہے اور جب تک حدیث نہ ہو طہارت کا حصول محال ہے لہذا اسی آیت سے اشارتاً ثابت ہوا کہ وضو کے واجب ہونے کے لیے حدیث کا پایا جانا شرط ہے۔

سوال نمبر ۱۵: کفارہ ظہار جب کھانا کھلانے کی صورت میں ہو تو کھانا کھلانے کے دوران کفارہ ادا کرنے والا اپنی بیوی سے جماع کر سکتا ہے یا نہیں اسی بحث کی روشنی میں لکھیں؟

جواب : چونکہ مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے لہذا قرآن پاک کے مطلق میں کوئی قید نہیں لگائی جاسکتی اس بنیاد پر جب ظہار کے کفار کے بارے میں قرآنی آیت کو دیکھا جاتا ہے تو وہاں عدم جامع کی قید نہیں ہے اور اگر ہم شرط رکھیں تو قرآن پاک کے مطلق کو مقتید کرنا ہوگا اور یہ بات جائز نہیں ہے۔ احناف کے علاوہ باقی تینوں مذاہب روزے پر قیاس کہتے ہوئے کھانا کھلانے کے دوران جامع کرنے کی صورت میں سٹے سرے سے کھانا کھلانا ضروری قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ مطلق کو مقتید کرنا ہے۔

سوال نمبر ۱۶ : مسیح کے سلسلے میں احناف کا اس قاعدے پر عمل نہیں کیونکہ قرآن پاک میں مطلق بعض کا مسح مذکور ہے اور تم نے حدیث کی بنیاد پر ناصیہ کی قید لگائی ہے اسی طرح دوسرے فائدہ سے نکاح کرنے کی صورت میں حرمت غلیظ ختم ہو جاتی ہے اور یہ بات قرآن پاک کے مطلق سے ثابت ہے جبکہ احناف رفاعہ کی بیوی والی حدیث کے ساتھ اس میں دخول کی قید لگاتے ہیں اور یہ مطلق کو مقتید کرنا ہے؟

جواب : یہ اعتراض اس بنیاد پر ہے کہ مسیح کے سلسلے میں بعض کو مطلق سمجھا گیا حالانکہ یہ مطلق نہیں مجمل ہے۔ کیونکہ مطلق کا حکم یہ ہے کہ اس کے جس فرد کو بھی عمل میں لایا جائے وہ مامور بہ کا عمل میں لانا شمار ہوتا ہے جبکہ یہاں کسی بعض پر عمل کرنے والا پورے مامور بہ پر عمل کرنے والا شمار نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ نصف پر یا دو تہائی پر مسح کرتا ہے تو یہ سارے کا سارا جس پر مسح کیا گیا ہے فرض نہیں ہوگا بلکہ اس میں سے بعض مامور بہ ہوگا تو یہ مطلق اور مجمل میں فرق ہے۔ دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ نکاح کے سلسلے میں دخول کی قید حدیث سے نہیں لگائی گئی بلکہ یہ تو خود قرآن پاک سے ثابت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ

عقد نکاح لفظ زوج سے ثابت ہوگا۔

اور لفظ نکاح (حقیقی نکاح) سے دلی مراد ہوگی گویا کہ دلی خود قرآنی نعت سے ثابت ہے۔ لہذا یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ یہ بات بعض احناف کے نزدیک ہے جبکہ جہور احناف کا مذہب یہ ہے کہ دخول کی قید اگرچہ حدیث سے ثابت ہے لیکن وہ حدیث مشہور ہے۔ لہذا یہ بات لازم نہیں آتی کہ خبر واحد کے ساتھ کتاب کے مطلق کو مقید کیا گیا ہے اور حدیث مشہور سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز ہے۔

مشترک، مؤول اور مفتر کا بیان

سوال نمبر ۱: مشترک کی تعریف، حکم اور مثالیں بیان کریں؟
جواب: مشترک وہ نطق ہے جو ایسے دو یا زیادہ معنوں کے لیے وضع کیا گیا ہو جن کی حقیقتیں مختلف ہوں۔ مثلاً لفظ جاریہ۔ لونڈی اور کشتی دونوں معنوں میں آتا ہے۔ لفظ مشتری عقرب کو قبل کرنے والے اور آسمان کے ستارے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح بائیں جراثی اور بیان کے معنی کا احتمال رکھتا ہے۔
حکم: مشترک کا حکم یہ ہے کہ جب مختلف معانی میں سے کسی ایک معنی کو مراد لے لیا جائے تو باقی معنوں کا اعتبار ساقط ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ قرآن پاک میں مذکور لفظ "قرود" سے یا حیض مراد ہوگا جیسا کہ احناف کا مسلک ہے یا ظلم مراد ہوگا جو امام شافعی کا مذہب ہے۔

بیک وقت دونوں مراد نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح امام محمد فرماتے ہیں کہ جب کسی آدمی نے بونٹوں کے موالی کے لیے

وصیت کی اور ان کے دو قسم کے موالی تھے۔ اعلیٰ اور اسفل بھی۔ تو دونوں فریقوں کے حق میں وصیت باطل ہو جائے گی کیونکہ لفظ موالی، اعلیٰ اور ادنیٰ دونوں میں مشترک ہے لہذا نہ تو دونوں جمع ہو سکتے اور نہ ہی کسی ایک کو یہاں ترجیح دی گئی ہے۔ اس لیے اس وصیت پر عمل کرنا ناممکن ہے اسی طرح کسی آدمی نے اگر اپنی بیوی سے کہا ”اَنْتَ عَلٰی مِثْلِ اُمِّی“ تو وہ وصیت کے بغیر ظہار کرنے والا نہیں ہوگا کیونکہ یہ جملہ کلمات اور وصیت کے درمیان مشترک ہے۔ لہذا وصیت کی جہت کو وصیت کے بغیر ترجیح حاصل نہیں ہوگی۔

مشترک کے اسی ضابطے کے مطابق شکار کی جزا کا مسئلہ حل کیا جاتا ہے مثلاً کسی محرم نے شکار کیا تو قرآن پاک میں اس کی سزا یہ بیان کی گئی ہے ”فَجَسَدًا“ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ“ یہاں لفظ مثل، مثل صوری اور مثل معنوی میں مشترک ہے لہذا جب مثل معنوی مراد لے لیا گیا تو مثل صوری مراد نہیں لے سکتے۔ چنانچہ اسی آیت کے تحت کہوتز اور چڑیا وغیرہ کے شکار پر بالاتفاق مثل معنوی کے ساتھ جزا ہوگی تو اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی جانور شکار کیا تو وہاں بھی مثل معنوی کے ساتھ جزا ہوگی۔ اور اس جانور کی مثل صوری واجب نہیں ہوگی۔ کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک جگہ مثل معنوی مراد لیں اور دوسری جگہ مثل صوری مراد لیں۔

سوال نمبر ۱۸: موؤل کی تعریف، حکم اور نتائج درج کریں ؟
جواب: جب غالب رائے کے ساتھ مشترک کے کسی معنی کو ترجیح حاصل ہو جائے تو اس کو موؤل کہتے ہیں۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل واجب ہوتا ہے اگرچہ غلطی کا احتمال باقی ہو۔
موؤل کا حکم: مثلاً جب کسی آدمی نے سودا کرتے ہوئے مطلق ثمن کا ذکر کیا تو بطور مابیل شہر کا غالب سکہ مراد ہوگا اور اگر شہر میں مختلف سکے جاری ہوں جن کی

مالیت میں بھی اختلاف ہو تو بیع ناسد ہو جائے گی کیونکہ یہاں کسی ایک کو ترجیح حاصل نہیں ہو سکتی اور ان کو جمع کرنا بھی ناممکن ہے۔ قرد سے حیض مراد لینا حتیٰ شکاح میں نکاح سے دلی مراد لینا۔ طلاق کی گفتگو کے درمیان کتایہ۔ الفاظ استعمال کیے جائیں تو ان سے طلاق مراد لینا سوڈل ہی کی صورتیں ہیں۔

سوال نمبر ۱۹: اَلَّذِيْنَ اَتَمَّ اَفْعَالًا مِنْ النَّاسِ كَوْنًا، کیا مطلب ہے؟

شکل کے ساتھ واضح کریں؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی آدمی کے پاس زکوٰۃ کے کئی نصاب ہوں مثلاً نقدی سامان تجارت اور جانور اور اس پر اتنا قرض ہو جو زکوٰۃ کی ادائیگی میں رکاوٹ بنتا ہو تو سب سے پہلے اس قرض کا اندازہ اس نصاب سے لگائیں گے جس کی ادائیگی آسان ہو۔

اب اس صورت میں جب ایک نصاب کا قرض کی ادائیگی کے لیے تعین ہو گیا تو دوسروں کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔ مثلاً ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھے ہر میں زکوٰۃ کا ایک نصاب دوں گا۔ اب اس کے پاس ایک نصاب بکریوں سے ہے اور ایک نصاب درہموں سے۔ تو ہر جو اس کے ذمے دین ہے اُسے درہم کی طرف پھیرا جائے گا کیونکہ ادائیگی میں یہ آسان ہے۔ حتیٰ کہ اگر ان دونوں نصابوں پر ایک سال پورا ہو جائے تو بکریوں کے نصاب میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ درہم کے نصاب میں نہیں۔ کیونکہ یہ اس کے ذمے دین ہے جو کہ زکوٰۃ سے مانع ہے۔

سوال نمبر ۲۰: مفسر کسے کہتے ہیں اور اس کا حکم کیا ہے مثال بھی لکھیں؟

جواب: اگر مشترک کا کوئی معنی متکلم کے بیان سے ترجیح پائے تو وہ "مفسر" کہلاتا ہے۔

حکم اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر یقین کے ساتھ عمل واجب ہوتا ہے۔ مثلاً
 جب کوئی آدمی کہتا ہے: "إِنَّمَا عَلَى عَشْرَةِ دُكْعَةٍ مِنْ فَخْذٍ بَخَّارًا"
 تو اس کے الفاظ فقہ بخارا درہم کی تفسیر ہوگی اور اگر یہ کلمات ہوتے
 تو تادیل کے طور پر شرکاء غالب سکے مراد ہوتا اب مفسر کو ترجیح حاصل ہوگئی۔ لہذا اثر
 اس کے واجب نہیں ہوگا۔

حقیقت و مجاز کا بیان

سوال نمبر ۲۱: حقیقت اور مجاز کی تعریف کریں۔ نیز یہ بتائیں کہ ایک ہی لفظ سے
 ایک ہی وقت میں حقیقی اور مجازی معنی مراد ہو سکتا ہے یا نہیں؟
 جواب: ہر وہ لفظ جسے لغت کے واضح نے کسی چیز کے مقابلے میں وضع کیا ہو
 تو وہ لفظ اس چیز کے لیے حقیقت قرار پائے گا اور اگر اس کے غیر میں استعمال کیا
 جائے تو مجاز ہوگا۔ مثلاً لفظ اسد ایک مخصوص جانور کے لیے وضع کیا گیا ہے
 لہذا اگر اسے کسی انسان پر بولیں تو یہ مجازی استعمال ہوگا۔ حقیقت اور مجاز ایک ہی
 لفظ سے ایک ہی حالت میں اکٹھے مراد نہیں ہو سکتے۔

سوال نمبر ۲۲: اس ضابطے کے مطابق شرعی مسائل سے کچھ مثالیں لکھیں؟
 جواب: حضور علیہ السلام نے فرمایا ایک درہم کو دو درہموں کے بدلے اور
 ایک صاع کو دو صاع کے بدلے نہ بیچو۔ لفظ صاع کے دو معنی ہیں۔ ایک حقیقی
 اور دوسرا مجازی۔ حقیقی معنی کے اعتبار سے صاع کڑی کا پیمانہ ہے جس میں غلہ
 دیکھو ماپا جاتا ہے اور مجازی معنی کے اعتبار سے اس پیمانے میں جو غلہ آتا ہے
 اسے صاع کہتے ہیں۔ چونکہ اجماعی طور پر یہاں غلہ مراد لیا گیا لہذا ایک پیمانے کو دو
 کے بدلے بیچنا جائز ہوگا۔ کیونکہ جب مجازی معنی مراد لے لیا گیا ہے تو اب حقیقی

معنی امر او نہیں لے سکتے۔

اسی طرح قرآن کریم کے ارشاد ”اَوْ لِمَسْئُومٍ اَلَيْسَ لَكَ مِنْ اَمْرِ امْرِئِكَ شَيْءٌ مِّنْ دُونِهَا“ سے جب مجازی معنی جامع مراد لے لیا گیا تو حقیقی معنی یعنی ہاتھ لگانا مراد نہیں ہوگا۔ لہذا عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

امام محمد فرماتے ہیں جب کسی شخص نے اپنے آزاد کردہ غلاموں کے لیے وصیت کی اور ان کے بھی آگے آزاد کردہ غلام ہیں تو یہ وصیت اپنے غلاموں کے لیے ہوگی کیونکہ یہ حقیقی موالی ہیں۔ دوسروں پر موالی کا اطلاق مجازاً ہوتا ہے، اہل حرب اگر اپنے کبابہ کے لیے اس طلب کریں تو اس میں دایاں زبائیاں شامل نہیں ہوں گی کیونکہ باپ اور ماں کے لیے لفظ اب اور ام حقیقی طور پر استعمال ہوتا ہے جبکہ دادا، دادی اور نانا، نانی کے لیے یہ الفاظ مجازاً استعمال ہوتے ہیں اور حقیقت اور مجاز کا اجتماع جائز نہیں ہے اور بلاوجہ حقیقت کو چھوڑا بھی نہیں جاسکتا لہذا ماں اور باپ مراد ہوں گے ان کے اوپر والے نہیں اسی بنیاد پر کہ حقیقت اور مجاز جمع نہیں ہو سکتے اخلاف کے نزدیک جب کسی آدمی نے کسی قبیلے کی باکرہ عورتوں کے لیے وصیت کی تو وہ عورتیں اس وصیت میں داخل نہیں ہوں گی جن کی بکارت زنا کی وجہ سے زائل ہوئی۔ اس لیے کہ باکرہ حقیقت میں اس عورت کو کہا جاتا ہے جس سے جماع نہ ہوا ہو۔ یہ حقیقی معنی کے اعتبار سے ہے۔

نوٹ: زانیہ کو غیر شادی شدہ چھوٹی وجہ سے مجازاً باکرہ کہا جاتا ہے۔ اب یہاں وصیت میں اگر زانیہ غیر شادی شدہ بھی داخل ہو تو یہ حقیقت اور مجاز کا اجتماع ہوگا اور یہ جائز نہیں۔ اگر کسی شخص نے کسی کے بیٹوں کے لیے وصیت کی اور اس کے پوتے بھی ہیں تو یہ وصیت صرف بیٹوں کے لیے ہوگی۔ پوتوں کے لیے نہیں ہوگی۔ کیونکہ ”جنوہ“ کا لفظ بیٹوں پر حقیقاً اور پوتوں پر مجازاً استعمال ہوتا ہے۔

اسی طرح اگر ایک آدمی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں عورت سے نکاح نہیں کرے گا حالانکہ وہ عورت اجنبیہ ہے تو اس صورت میں عقد مراد ہوگا جماع مراد نہیں ہوگا۔ لہذا اگر وہ اس سے زنا کا ارتکاب کرے تو عانت نہیں ہوگا۔ (البتہ گناہ ہوگا)

اعتراض یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ حقیقت اور مجاز ایک ہی حالت میں اکٹھے نہیں ہو سکتے کیونکہ بعض مثالیں ایسی ہیں جن سے حقیقت و مجاز کا اجتماع ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ فلاں کے گھر میں قدم نہیں رکھے گا تو اب نیلے پاؤں یا جوتا پہن کر یا سوار ہو کر جس طرح بھی داخل ہو عانت ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ وہ فلاں کے گھر میں نہیں رہے گا تو وہ گھر چھوڑ کر اس فلاں کی دھک ہو یا کرایہ پر لیا ہو یا ادھار پر حاصل کیا گیا ہو برصورت میں اس مکان میں سکونت اختیار کرنے سے عانت ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی آدمی نے کہا کہ جس دن فلاں آدمی آئے گا اس دن میرا غلام آزاد ہوگا۔ تو اب وہ رات کو آئے یا دن کو غلام آزاد ہو جائے گا ان تمام صورتوں میں حقیقت اور مجاز جمع ہو رہے ہیں۔

جواب : درحقیقت معترض کو مثالیں سمجھنے میں غلطی لگی ہے یہاں حقیقت اور مجاز جمع نہیں ہو رہے بلکہ یہ عموم مجاز ہے۔ مثلاً پہلی صورت میں قدم رکھنے سے مراد عرف عام میں "داخل ہونا" ہے۔ اب وہ نیلے پاؤں داخل ہو جوتا پہن کر، پیدل یا سوار ہو کر تمام صورتیں مجاز ہی بنتی ہیں۔

اسی طریقہ سے دوسری مثال میں فلاں کے گھر سے مراد وہ مکان ہے جس میں اس کی رہائش ہو۔ چاہے وہ اس کی ملکیت ہو یا کسی بھی طرح اس کو حاصل ہوا ہو۔ یہ عموم مجاز ہے۔ تیسری صورت میں لفظ ایوم سے مطلق وقت مراد ہے۔ کیونکہ

یوم کی اضافت جب غیر عمد فعل کی طرف ہو تو اس سے مطلق وقت مراد ہوتا ہے اور مطلق وقت میں رات اور دن دونوں وقت شامل ہیں۔ گویا ان تمام صورتوں میں عادت ہونا عموم مجاز کے طور پر ہے حقیقت اور مجاز کے اجتماع سے نہیں۔
سوال نمبر ۳۲: حقیقت کی کتنی قسمیں ہیں ان کے نام اور مثالیں لکھیں؟
جواب: حقیقت کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ متعذرہ۔ ۲۔ مجبورہ۔ ۳۔ مستعملہ۔

متعذرہ کی مثال | یہ ہے کہ کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ اس درخت یا اس ہنڈیا سے نہیں کھائے گا چونکہ درخت اور ہنڈیا کھانا مشکل ہے اس لیے حقیقی معنی پر عمل متعذر ہو گیا۔ لہذا اس سے درخت کا پھل اور وہ چیز جو ہنڈیا میں پکائی جاتی ہے ملا ہوگی۔ یہ بطور مجاز ہے۔ لہذا اگر کسی آدمی نے مشقت برداشت کرتے ہوئے درخت یا ہنڈیا کے عین سے کچھ کھایا تو وہ عادت نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ اس کنوئیں سے نہیں پئے گا تو حقیقی معنی یعنی منہ لگا کر پینا مشکل ہے لہذا حقیقت متعذر ہونے کی وجہ سے چھوڑ دی گئی اور مجاز پر عمل ہوگا۔ یعنی چلو سے پینا مراد ہوگا۔ اس لیے اگر کوئی آدمی تکلیف کرتے ہوئے منہ لگا کر پیے تو عادت نہیں ہوگا۔

مجبورہ کی مثال | یہ ہے کہ کسی آدمی نے قسم کھائی کہ نلاں کے گھر میں قدم نہیں رکھے گا تو عرف عام میں قدم رکھنے کا حقیقی معنی چھوڑ دیا گیا اور مجازی معنی اپنی داخل ہونا مراد ہے۔ اسی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی آدمی نے جھگڑے کے سلسلے میں کسی کو اپنا وکیل بنایا تو اس کا حقیقی معنی تو یہ ہے کہ وہ اس کی طرف سے جھگڑا کرے۔ لیکن یہ معنی شرعاً اور عادتاً چھوڑ دیا گیا ہے لہذا یہاں مجازی معنی مراد ہوگا۔ یعنی مطلق جواب دینا۔ چاہے اس کے ساتھ ہو چاہے نہ کے ساتھ۔

نوٹ : حقیقت کی ان دونوں صورتوں میں بالاتفاق مجاز کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

سوال نمبر ۲۴ : حقیقت مستعملہ کی صورت میں مجاز کی کیا حیثیت ہوگی؟

جواب : اگر حقیقت مستعملہ کے لیے مجاز متعارف نہ ہو تو بالاتفاق حقیقت پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے اور اگر اس کے ساتھ مجاز متعارف ہو تو امام اعظم کے نزدیک حقیقت پر عمل کرنا اولیٰ ہے اور صاحبین کے نزدیک عموم مجاز پر عمل کرنا زیادہ اچھا ہے۔ مثلاً ایک آدمی نے قسم کھائی کہ وہ اس گندم سے نہیں کھائے گا تو امام صاحب کے نزدیک عین گندم سے کھانے کی صورت میں حاش ہو جائے گا اور گندم سے حاصل ہونے والی روٹی کھائے گا تو حاش نہیں ہوگا۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک ہر اس چیز کو کھانے سے حاش ہوگا جو گندم سے بنتی ہے۔ مثلاً خود گندم۔ آٹا، ستود وغیرہ اور یہ عموم مجاز کے طور پر ہے۔ اسی طرح اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ نہر فرات سے پانی نہیں پئے گا تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک منہ لگا کر پینے کی صورت میں حاش ہو جائے گا کیونکہ یہ حقیقت مستعملہ ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک جس طریقے سے پئے حاش ہو جائے گا۔ منہ لگا کر یا چلو بھر کر۔ یا برتن کے ساتھ۔

سوال نمبر ۲۵ : مجاز، حقیقت کا نائب ہے لیکن کیسے؟ اس سلسلے میں اگر اختلاف

کا اختلاف لکھیں؟

جواب : امام اعظم کے نزدیک مجاز لفظ کے حق میں حقیقت کا نائب ہے جبکہ صاحبین کے نزدیک حکم کے حق میں حقیقت کا نائب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حقیقت پر عمل ناممکن بھی ہو تب بھی مجاز اس کا نائب بنے گا۔ یہ امام اعظم کے قول کے مطابق ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک مجاز اسی وقت حقیقت کا نائب بنے

گاجب حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو مگر کسی مانع کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکے۔
مثلاً ایک شخص نے اپنے غلام سے جو عمر میں اس سے بڑا تھا کہا ”هَذَا ابْنِي“
تو صاحبین کے نزدیک حقیقت محال ہے کیونکہ بیٹا باپ سے عمر میں بڑا نہیں ہو سکتا
لہذا یہاں مجاز بھی مراد نہیں ہوگا اور کلام لغو ہو جائے گا۔

جبکہ امام اعظم کے نزدیک یہاں مجازی معنی مراد ہوگا اور وہ غلام آزاد ہو جائے
گا۔ اسی طرح اگر کسی آدمی نے کہا کہ غلام آدمی کے مجھ پر ہزار روپے ہیں۔ یا اس دیوار
پر۔ یا اُسے کہا کہ میرا غلام آزاد ہے یا لگدھا۔ تو صاحبین کے نزدیک چونکہ دیوار کے
فستے ہزار روپے نہیں ہو سکتا اور نہ لگدھا آزاد ہو سکتا ہے۔ لہذا حقیقت ناممکن ہونے
کی وجہ سے کلام لغو ہو جائے گا۔ جب کہ امام صاحب کے نزدیک کلام لغو نہیں ہوگا بلکہ
مجازی معنی مراد نہیں لے گا۔ یعنی جس پر ہزار روپے بن سکتا ہے اس کے ذمے ہزار روپے
ڈال دیا جائے گا۔ اور جو آزادی کی صلاحیت رکھتا ہے وہ آزاد ہو جائے گا۔

ایک اعتراض اس کا عدے کے مطابق اگر کسی شخص نے اپنے بیوی کے
بارے میں کہا کہ یہ میری بیٹی ہے حالانکہ اس کا نسب غیر
سے معروف تھا تو اس صورت میں امام اعظم کے نزدیک اس عورت کو طلاق ہو جانی
چاہیے یعنی جب حقیقت پر عمل کرنا ممکن نہیں تو مجاز کی طرف رجوع کیا جائے گا حالانکہ
آپ اسے طلاق نہیں مانتے۔

جواب : اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہاں حقیقت پائی جاتی یعنی وہ عورت
اس کی بیٹی ثابت ہوتی تو ان کا نکاح ہی صحیح نہ ہوتا جب نکاح صحیح نہیں ہوگا تو اس کا حکم طلاق
کیسے ثابت ہوگا؟ کیونکہ بیٹی ہونے اور نکاح میں منافات ہے اور طلاق نکاح پر مرتب ہوتی ہے جبکہ
بیٹے والی صورت میں بیبات نہیں ہے کیونکہ بیٹا ہونا اور باپ کا اس کا مالک بننا یہ صحیح ہو سکتا
ہے۔ باپ اس کا مالک بن سکتا ہے اور پھر وہ آزاد ہوتا ہے۔

استعارہ کا بیان

سوال نمبر ۳۶: استعارہ کسے کہتے ہیں اور احکام شرع میں استعارہ کے صحیح ہونے کی کیا صورت ہے؟

جواب: استعارہ کا لغوی معنی کوئی چیز بطور اٹھال لینا ہے۔ اسویوں کے نزدیک استعارہ اور مجاز ایک ہی چیز ہے جبکہ اہل بیان کے نزدیک استعارہ، مجاز کی ایک قسم ہے۔ شرعی احکام میں استعارہ کا استعمال دو طریقوں سے ہوتا ہے۔

نمبر ۱: علت اور حکم کے درمیان اتصال پایا جائے۔

نمبر ۲: سبب محض اور حکم کے درمیان اتصال پایا جائے پہلی صورت میں استعارہ دونوں طرف سے جائز ہے جبکہ دوسری صورت میں اصل کا استعارہ فرع کے لیے ہو سکتا ہے۔ فرع کا اصل کے لیے نہیں۔ یعنی سبب بول کر مسبب مراد لے سکتے ہیں لیکن اس کا عکس نہیں ہوتا۔

پہلی صورت کی مثال | جب کسی آدمی نے کہا کہ اگر میں غلام کا ایک بیوی تو وہ آزاد ہے چنانچہ وہ نصف غلام کا مالک ہوا۔ پھر

اس کو اس نے بیچ دیا۔ پھر دوسرے نصف کا مالک بنا تو وہ غلام آزاد نہیں ہوگا کیونکہ وہ غلام اس کی ملک میں اجتماعی طور پر نہیں آیا اور اگر اس نے کہا کہ اگر میں غلام خریدوں تو وہ آزاد ہے پھر اس نے نصف غلام خرید کر بیچ دیا۔ پھر دوسرے نصف کو خریدا تو دوسرا نصف آزاد ہو جائے گا۔ اب یہاں اگر وہ ملک سے خریدنا مراد لیتا

ہے یا خریدنے کا لفظ بول کر ملک مراد لیتا ہے تو بطور مجاز اس کی نیت صحیح ہوگی
 کیونکہ خریدنا ملک کی علت ہے اور ملک اس کا حکم ہے۔ لہذا استعارہ دونوں طرفوں
 سے صحیح ہوگا۔ یعنی علت بول کر معلول اور معلول بول کر علت مراد لے سکیں گے۔ البتہ
 جہاں اس کے حق میں تخفیف ثابت ہو تو ہر حال تقاضی اس کے حق میں فیصلہ نہیں دے
 گا۔ کیونکہ اس سے اس پر تہمت لگتی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ استعارہ صحیح نہیں ہوا۔
 جب کوئی آدمی اپنی بیوی سے کہے کہ میں نے تجھے
 دوسری صورت کی مثال آزاد کیا اور اس سے طلاق کی نیت کرے تو یہ

قول صحیح ہوگا کیونکہ آزاد کرنا اس صورت میں ملک بضعہ کے زوال کو واجب کرتا ہے۔ لیکن
 ملک رقبہ کے زوال کے واسطے ہے۔ پس اس کا یہ قول ملک بضعہ کے زوال کے
 لیے سبب محض بنے گا لہذا جائز ہے کہ وہ لفظ تحریر بول کر اس سے طلاق مراد لے
 جو ملک بضعہ کو زائل کرتی ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی لونڈی سے یہ کہتا ہے کہ میں نے
 تجھے طلاق دی اور اس سے آزاد کرنا مراد لیتا ہے۔ تو یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ
 طلاق سے صرف ملک بضعہ زائل ہوتی ہے اور اس کے زوال سے رقبہ کا زوال نہیں ہوتا۔

اگر تحریر کو طلاق سے مجاز قرار دیا جائے جس طرح مثال میں بیان کیا گیا
 ہے تو اس سے طلاق رجعی واقع ہونی چاہیے۔ جیسا کہ صریح لفظ

میں ہوتا ہے۔ جبکہ آپ اس سے طلاق بائن مراد لیتے ہیں۔

جواب : یہ اعتراض اس وقت صحیح ہوتا ہے جب ہم تحریر کو طلاق سے مجاز قرار دیں
 حالانکہ ہم یہاں اسے ملک شفعہ کو زائل کرنے والا قرار دیتے ہیں۔ اور یہ طلاق بائن
 میں ہوتی ہے۔ کیونکہ ہمارے نزدیک طلاق رجعی میں ملک شفعہ زائل نہیں ہوتی۔

سوال نمبر ۲۷ : استعارہ کے ضمن میں وہ کون سے الفاظ ہیں جن کے ساتھ نکاح
 منعقد ہو جاتا ہے؟

جواب : لفظ بہرہ، تلیک اور بیع کے ساتھ نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں ایک متعہ کے ثبوت کے لیے سبب محض ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لونڈی کسی کو بہرہ کرتا ہے یا اس کے یک میں دیتا ہے یا اس پر بیع دیتا ہے تو اس سے لکھ قصبہ حاصل ہوتی ہے اور ایک رقبہ حاصل ہونے سے ایک متعہ حاصل ہو جاتی ہے۔ آزاد عورت کے سلسلے میں چونکہ ایک رقبہ کا حصول ناممکن ہے۔ لہذا اسے مجازاً ایک متعہ پر محمول کیا جائے گا۔

چونکہ سبب اور شائبہ کی صورت میں دونوں طرف سے استعارہ صحیح نہیں ہوتا لہذا لفظ نکاح بول کر بیع، بہرہ اور تلیک وغیرہ مراد نہیں لے سکتے۔ نوٹ : جہاں مجاز کی کوئی صورت متعین ہو اس مقام پر نیت کی ضرورت نہیں ہوگی مثلاً آزاد عورت کو کہا کہ میں نے تجھے آزاد کیا تو چونکہ یہ مجاز کا عمل ہے اور حقیقت یہاں مراد ہو ہی نہیں سکتی لہذا مجازی معنی یعنی طلاق مراد لینے میں نیت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ما جہین کے نزدیک جب قاعدہ یہ ہے کہ مجاز کے صحیح ہونے کے **اعتراض** | یہ حقیقت کا ممکن ہونا شرط ہے۔ تو لفظ بہرہ وغیرہ سے نکاح کیسے مراد لے سکتے ہیں۔ کیونکہ آزاد عورت کے سلسلے میں بہرہ کا حقیقی معنی محال ہے۔ جواب : آپ کی بات صحیح ہے۔ لیکن کسی زکسی صورت میں یہ بات ممکن بھی ہے مثلاً کوئی عورت غرزد ہو کر دار حجب میں چلی جائے پھر اسے قیدی بنا لیا جائے اور یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے آسمان کو ہاتھ لگانا، ہوا میں اڑنا۔ پتھر کو سونا بنانا وغیرہ۔ کیونکہ یہ کام ناممکن ہیں۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص بطور کرامت ان کو انجام دے۔

صریح اور کنایہ کا بیان

سوال نمبر ۲۸: صریح کی تعریف اور حکم بیان کیجئے؟

جواب: تعریف: صریح وہ لفظ ہے جس کی مراد ظاہر ہوتی ہے۔ جس طرح ”بخت“ اور
”اشتریت وغیرہ۔“

حکم: اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا معنی ثابت ہو جاتا ہے چاہے صریح کلام بطور خبر ہو
یا مسکت یا ندا کے طور پر ہو۔ اسی طرح صریح الفاظ میں نیت کی ضرورت بھی
نہیں ہوتی۔ مثلاً ”اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے ”اَنْتِ طَالِقٌ“ یا ”طَلَقْتُكِ“ یا
”یا طَالِقُ“ تو نیت کہے یا نہ۔ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی نے
اپنے غلام سے کہا ”اَنْتَ حُرٌّ“ یا ”حُرٌّ تَلْتُ“ یا ”یا حُرٌّ“ تو غلام
آزاد ہو جائے گا۔ نیت ہرمانہ ہو۔

سوال نمبر ۲۹: تیمم کے مفید طہارت ہونے کے سلسلے میں احناف اور شوافع کا
کیا اختلاف ہے؟

جواب: احناف کا مسلک یہ ہے کہ تیمم مطلق طہارت کا فائدہ دیتا ہے۔ کیونکہ
قرآن پاک میں ”وَلَكِنْ تَرِيَهُ لَيُطَهِّرُ كَعُودِ“ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں
جو طہارت کے حصول میں صریح اور واضح ہیں۔

امام شافعی کے نزدیک اس ضمن میں دو قول ہیں ایک یہ کہ تیمم طہارت
مردود ہے اور دوسرا یہ کہ طہارت نہیں بلکہ حدیث کو ٹھکانے والا ہے۔ گویا احناف
کا مذہب قرآن پاک کے لفظ صریح سے ثابت ہے۔

سوال نمبر ۳۰: اس اختلاف کی بنیاد پر کون سے مسائل میں حنفی، شافعی اختلاف
واضح ہوتا ہے؟

جواب : چونکہ ہمارے نزدیک یہ مطلق طہارت ہے۔ لہذا وضو کی طرح یہ وقت سے پہلے جائز ہے۔ ایک تیمم سے دو فرض یا زیادہ ادا کیے جاسکتے ہیں۔ تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کی امامت کرا سکتا ہے۔ نفس یا عضو کے مٹانے ہونے کا خوف نہ بھی ہو تب بھی تیمم جائز ہے۔ عید کی نماز اور ہزارہ کے لیے تیمم جائز ہے۔ صرف طہارت کی نیت سے بھی جائز ہے۔ یہ تمام مسائل اصناف کے نزدیک ہیں۔ جبکہ امام شافعی اس کے خلاف ہیں۔ ان کے نزدیک محض ضرورت کی بنیاد پر تیمم ہو سکتا ہے اور ضرورت ختم ہونے پر تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔

سوال نمبر ۳۱ : کنایہ کہہ سکتے ہیں، اس کا حکم کیا ہے اور اس سے متعلق کچھ مسائل قلم بند کریں؟

جواب : کنایہ وہ نقطہ ہے جس کا معنی پوشیدہ ہو یہی وجہ ہے کہ مجاز متعارف ہونے سے پہلے کنایہ کی طرح ہوتا ہے۔

حکم کنایہ کا حکم یہ ہے کہ اس سے حکم اس وقت ثابت ہوتا ہے جب نیت کیا حال کی ولایت پائی جائے۔ کیونکہ ایسی دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ جس کے ساتھ تردد دور ہو جائے اور جن وجوہ کا احتمال ہوتا ہے ان میں سے کوئی رائج ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ طلاق کے مسئلے میں لفظ بینونت اور تحریر کو کنایہ کہا جاتا ہے اور مراد مخفی ہوتی ہے۔ چونکہ ان الفاظ سے نکاح ختم ہو جاتا ہے لہذا مرد کو رجوع کا حق نہیں ہوتا۔

سوال نمبر ۳۲ : مرتزح اور کنایہ سے ثابت ہونے والے احکام میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

جواب : ایک فرق تو یہ ہے جو اس سے پہلے لکھ دیا گیا ہے۔ یعنی مرتزح کا حکم نیت کا محتاج نہیں ہوگا اور کنایہ میں نیت ضروری ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ کنیہ کے ساتھ سزائیں نہیں دی جاتیں۔ یعنی اُنسی وقت مدقام کی جانے لگی جب لفظ صریح بولا جائے۔ مثلاً ایک آدمی نے زنا اور چوری کے سلسلے میں لفظ کنیہ کے ساتھ اقرار کیا تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی۔
کنیہ کی مثال: کنیہ کے ساتھ اقرار کی مثال یہ ہے کہ اس نے کہا میں نے فلاں عورت سے جماع کیا یا میں نے فلاں کا مال لیا۔

صریح کی مثال: اور صریح میں لفظ زنا اور لفظ سرقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ چونکہ کنیہ کے ساتھ سزائیں ثابت نہیں ہوتیں۔ اس لیے اگر کوئی نے اشارے کے ساتھ بات بتائی تو اس پر مدقام نہیں ہوگی۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے دوسرے کو زنا کی نصیحت لگائی اور کسی تیسرے آدمی نے کہا ”صدقہ قنٹ“ تو اس تیسرے پر مدقام نہیں ہوگی کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی اصحاب میں اس کی تصدیق کر رہا ہو۔

مقابلات

سوال نمبر ۳۳: مقابلات میں کتنی اور کون سی چیزیں شامل ہیں ہر ایک کا نام لکھیں اور دونوں چیزوں کو الگ الگ کریں؟

جواب: مقابلات میں آٹھ چیزیں شامل ہیں اور وہ یہ ہیں ظاہر کے مقابلے میں خفی، نص کے مقابلے میں شکل، مفسر کے مقابلے میں مجمل اور حکم کے مقابلے میں مشابہ۔

سوال نمبر ۳۴: ظاہر اور نص کی تعریف کریں اور ایک ایسی مثال دیں جو دونوں سے متعلق ہو اس کی وضاحت بھی کریں؟

جواب: ظاہر: ہر اس اسم کا نام ہے جس کی مراد سامع کے لیے محض سننے سے کسی تامل کے بغیر ظاہر ہو جائے۔ اور نص جس کے لیے کلام کو چلایا جائے اس کی مثال

اللہ تعالیٰ کا قول فَاَنْذَرْتُمْ اَیُّهَا النَّاسُ مَعْنٰی دُرِّ بَیِّنٍ اس میں نہیں مینی جس کے لیے کلام کو پھلایا گیا ہے۔ وہ بیان مرد ہے مینی کلام پھلایا گیا ہے مرد بیان کرنے کے لیے اور ظاہر اس بات میں کہ آدمی کو غنیمت یا پارہ عورتوں کے نکاح کی اجازت ہے۔

سوانیب ۲۵: لَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَوْ تَسَمَّوْهُنَّ اَوْ تَعْلَمُوْنَ اَنْ تَحْلِقُوْنَ اَسْ ایت میں تین چیزیں ہیں اُن کو وضاحت کے ساتھ تحریر کریں؟

جواب: اس مذکورہ آیت میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ نساء اس کے بارے میں جس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور ظاہر ہے اس بارے میں کہ مرد کو طلاق دینے کا اختیار حاصل ہے اور تیسری بات اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ نکاح مہر کے ذکر کرنے کے بغیر درست ہے۔

سوانیب ۲۶: ظاہر اور نساء کا حکم بیان کریں اور ان دونوں کے درمیان تفاوت کب ظاہر ہوتا ہے۔ نیز ترجیح کس کو حاصل ہوگی

جواب: ظاہر اور نساء کا حکم یہ ہے کہ ان دونوں پر عمل کرنا واجب ہے غیر کے ارادہ کے احتمال کے ساتھ چاہے وہ دونوں عام ہوں یا خاص۔ اور ان دونوں کے درمیان تفاوت مقابلہ کے وقت ظاہر ہوتا ہے اور نساء کو ظاہر پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

سوانیب ۲۷: مفسر کی کیا تعریف ہے قرآن پاک سے کوئی مثال دیں اور احکام شرعیہ میں سے بھی کوئی مثال وضاحت کے ساتھ لکھیں؟

جواب: مفسر وہ ہے جس کی مراد ظاہر ہو شکم کی طرف سے بیان کی وجہ سے ہی یقینیت سے کہ اس کے ساتھ تاویل و تخصیص کا احتمال باقی نہ رہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ

کا قول ہے: **فَسَجِدْ لِلْمَلِكَةِ كُلِّهَا جَسَعُونَ** اس میں یاں ملا کر ظاہر ہے
 مگر اس میں تخصیص کا احتمال باقی ہے کہ تمام ملائکہ نے سجدہ کیا ہے۔ یا بعض نے
 تو **كُلُّهَا** کہنے سے تخصیص ختم ہو گئی مگر ابھی بھی تفرقہ کا احتمال باقی ہے تو
 جمعون نے تفرقہ کے احتمال کو بھی دور کر دیا۔ یعنی سب نے مل کر سجدہ کیا۔
 اسی طرح اگر کوئی شخص کہتا ہے کہ مجھ پر غلام کے ہزار ہیں اس غلام کی قیمت
 ہے یا اس مال کی قیمت ہے۔ تو اس کا یہ قول کہ مجھ پر ہزار ہیں یہ نص ہے ہزار کے
 لازم ہونے کے بارے میں مگر ابھی تفسیر کا احتمال باقی ہے کہ کس چیز کے ہزار ہیں تو اس کا
 کا یہ قول کہ مجھ پر اس غلام کے ہزار ہیں یا اس مال کے ہزار ہیں اس سے مراد بیان ہوا
 پس مفسر کو ترجیح حاصل ہو گئی نص پر۔ پس محضہ کے وقت اس پر مال کی ادائیگی
 لازم ہے۔

مفسر کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا لامحالہ طور پر واجب ہوتا ہے؟

سوال نمبر ۲۰: حکم کسے کہتے ہیں۔ تعریف شال اور حکم بیان کریں؟

جواب: حکم وہ ہے جس میں مفسر سے زیادہ قوت ہوتی ہے۔ اس طرح کہ اس کا
 خلاف بالکل جائز نہیں ہوتا۔ جیسے **إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ** اور **إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ**
 حکم کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا لامحالہ طور پر واجب ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۲۱: خفی، شکل، بھل اور مشابہ ان چاروں کی وضاحت کریں؟

جواب: خفی وہ ہے جس کی مراد عیسٰی ہوئی ہو کسی مار مذکر و بچہ سے صیغہ کی وجہ
 سے نہیں مثلاً **أَشْتَقِي** کا قول ہے **وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا**
 سارق کے بارے میں ظاہر ہے لیکن طراز اور نمائش کے بارے میں یہ خفی ہے
 کیونکہ سارق اس کو کہنا بدلتا ہے جو چپ کر کوئی چیز چرائے اور خفی کا حکم یہ ہے کہ

طلب واجب ہوتی ہے یہاں تک کہ اس سے عقادور ہو جائے۔

اور شکل وہ ہے جس میں غنی سے زیادہ خفا ہوتا ہے کیوں کہ جو چیز سامع پر مخفی ہے اس کی حقیقت اس کی اشکال و امثال میں داخل ہے۔ یہاں تک کہ اس کی کوئی مراد نہیں پائی جاتی مگر طلب کے ساتھ پھر تامل کے ساتھ یہاں تک کہ وہ اپنی امثال سے ممتاز ہو جائے۔

اور محل وہ ہے جو کئی وجوہ کا احتمال رکھتا ہے اور اس طرح ہوتا ہے کہ اس کی مراد ظاہر نہیں ہوتی مگر شکم کی طرف سے بیان کے ساتھ اس کی مثال شریعات میں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "حَبْرًا مِّنْ لَّا يَدْرِي" کیونکہ ربو کا مفہوم وہ زیادتی ہے جو سلق ہو سکتی مطلق زیادتی مراد نہیں بلکہ اس سے مراد وہ زیادتی ہے جو کسی عوض سے خالی ہو جم جس ، مقدار اور مابقی والی اشیاء کی بیچ میں۔

اور تشابہ وہ ہے جس میں خفا ہی خفا ہوتی ہے یعنی محل سے بھی زیادہ خفا ہوتی ہے جیسا کہ حرف مقطعات جو بعض سورتوں کے شروع میں ہوتے ہیں قبل اور تشابہ کا حکم یہ ہے کہ ان کی مراد کے حق ہونے کا یقین اور اعتقاد رکھا جائے۔

سوال نمبر ۴: اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ لایا تَدِمُ تو اس میں کیا کیا احکام جاری ہوں گے؟

جواب: اگر کسی نے قسم کھائی لایا تَدِمُ کہ وہ سائن نہیں کھائے گا تو یہ بات سرکار کچور کے رس میں تو نیکو سبب سے ہوئے گوشت اٹھے اور پیسیر میں مشکل ہے پیسے ہیں یہ دیکھنا ہے کہ ایستدام کا معنی کیا ہے۔ تو سائن اس چیز کو کہا جاتا ہے جس سے روٹ بھگو کر کھانے کے اب دیکھیں گے کہ سائن کا معنی بھنے ہوئے گوشت اٹھے اور پیسیر پر صادق آتا ہے تو ان کے کھانے سے وہ عانت ہو جائے گا اگر نہیں تو ان کے کھانے سے وہ عانت نہیں ہوگا تو ہم نے دیکھا کہ سائن کا معنی

سرکا اور کچور کے شیرے پر صادق آتا ہے۔ لہذا ان کے کھانے سے وہ حانت ہو جائے گا مگر چوں کہ سان کا مفہوم بٹنے ہوئے گوشت، انڈے اور پیرا صادق نہیں آتا لہذا ان کے کھانے سے وہ حانت نہیں ہوگا۔

لفظ کا حقیقی معنی ترک کرنا

سوال نمبر ۴۱: حقائق الفاظ چھوڑنے کی کتنی صورتیں ہیں یا کتنی چیزوں کی وجہ سے الفاظ کے حقیقی معانی کو چھوڑا جاسکتا ہے؟

جواب: جن چیزوں کے ساتھ حقائق الفاظ کو ترک کیا جاتا ہے ان کی پانچ قسمیں ہیں۔ ۱۔ عرف عام کی دلالت سے، ۲۔ نفس کلام کی دلالت سے، ۳۔ میاق کلام کی دلالت سے، ۴۔ جنکلم کی جانب سے دلالت سے، ۵۔ عمل کلام کی دلالت سے۔

سوال نمبر ۴۲: ان تمام دلائلوں کی ایک ایک مثال بیان کریں؟

جواب: ۱۔ دلالت عرف کی مثال

اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ سر نہیں کھائے گا تو اس کا اطلاق اس سر پر ہوگا جو لوگوں میں معروف ہے۔ مثلاً بکری کا سر لہذا چڑیا اور کبوتر کا سر کھانے سے وہ حانت نہیں ہوگا کیونکہ یہاں عرف کا اعتبار کرتے ہوئے لفظ کے حقیقی معنی کو چھوڑ دیا گیا ہے

نوٹ: ۱۔ یہاں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس مقام پر حقیقت کو چھوڑنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجاز کی طرف رجوع کیا جاتا ہے بلکہ حقیقت کا اس سے حقیقت قاصرہ کی طرف رجوع ہوگا۔

(۲) **نفس کلام کی دلالت** | جب کسی آدمی نے یہ کہا کہ میرا سر مملوک آزاد ہے تو اس کے کاتب صوفی غلام جن کا بعض حصہ

پٹے آزاد ہو چکا ہے آزاد نہیں ہوں گے البتہ یہ کہ اُن کی نیت کرے یہاں حقیقت کاملہ کو چھوڑا گیا ہے کیونکہ نفس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مملوک مراد ہے جو مکمل طور پر مملوک ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ مملوک مطلق ہے لہذا اس مملوک کو شامل ہو گا جو جن کل الوجود مملوک ہو جبکہ کاتب مکمل طور پر مملوک نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ کاتب میں ایک کا تصرف جائز نہیں لہذا یہاں پر حقیقت کاملہ پر عمل چھوڑ دیا جائے گا۔

(۳) **مشکلم کی جانب سے دلالت** | یعنی شکم کی حیثیت کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی کلام سے

حقیقی معنی مراد ہو سکتا ہے یا نہیں مثلاً ایک مسافر نے کسی جگہ راستے میں اترتے ہوئے کسی آدمی کو گوشت خریدنے کے لیے کہا۔ یہاں گوشت کا حقیقی معنی تو یہ ہے کہ کچا گوشت مراد ہو مگر چونکہ وہ مسافر ہے اور حالت سفر میں پکانے کا کوئی انتظام نہیں اس لیے شکم کی حالت کو دیکھتے ہوئے حقیقی معنی کو چھوڑ دیا جائے گا اور پکا ہوا یا جھنسا ہوا گوشت مراد لیا جائے گا۔

(۴) **مسیاق کلام کی دلالت** | جب کسی مسلمان نے جوبی سے کہا کہ تو بھڑتجے اس لیے تو اس کو اس میں حاصل ہو جائے گا لیکن اس نے

کہا کہ اتر اگر تو مرد ہے تو امن حاصل نہیں ہو گا۔ یہاں اترنے کی اجازت امن کو ثابت کرتی ہے لیکن جس انداز میں کلام کو چلایا گیا ہے اس سے امن ثابت نہیں ہوتا یعنی یہ کہ اگر تو مرد ہے تو اتر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امن کا متعلق نہیں ہے۔ یہاں حقیقت کو مسیاق کلام کی دلالت کی وجہ سے بھڑ دیا جائے گا۔

(۵) محل کلام کی دلالت اس کا مطلب یہ ہے کہ محل غلط کی حقیقت کو قبول نہیں کرتا لہذا اس کے معنی کو چھوڑ دیا جائے گا۔ مثلاً

ایک آزاد عورت کہتی ہے کہ میں نے اپنے آپ کو تجھ پر بیچا یا بہ کیا یا اپنا مالک بنایا یا صدقہ کیا تو چونکہ ایک آزاد عورت ان تمام باتوں کا محل نہیں ہے۔ لہذا یہاں پر حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معانی مراد لیں گے یعنی یہاں ان باتوں سے مراد نکاح ہوگا۔ سوال نمبر ۳۲: قسم اور ظہار کے کفارہ میں مکاتب غلام کو آزاد کرنا جائز ہے لیکن مدبر اور اُم ولد کو آزاد کرنا جائز نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: قسم یا ظہار کے کفارہ میں جو چیز واجب ہے وہ ہے آزاد کرنا اور آزادی کا ثبوت اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک غلامی کا الزام نہ کیا جائے لہذا کفارہ میں وہی غلام آزاد ہوگا جس میں غلامی کامل طور پر پائی باقی ہے چونکہ مکاتب میں غلامی کامل طور پر پائی جاتی ہے لہذا بطور کفارہ اسے آزاد کرنا جائز ہے جبکہ مدبر اور اُم ولد میں غلامی ناقص ہے لہذا ان کو آزاد کرنا مکمل آزادی نہیں ہوگی۔

سوال نمبر ۳۳: پہلے یہ کہا گیا تھا کہ مکاتب مکمل طور پر ملوک نہیں ہے اور یہاں اس کے لیے مکمل غلامی کا قول کہا گیا ہے یہ تو تضاد ہے؟

جواب: مکاتب وہ ہے جس سے مالک کے کچھ اتنی رقم دے اور تو آزاد ہو جاوے چونکہ وہ مالک کے گاہ اور مالک کو لا کر دے گا لہذا وہ مال اس کی اپنی ملک قرار پائے گا اور مال کمانے کے ضمن میں اسے اختیارات حاصل ہوں گے اس بناء پر وہ کامل ملوک نہیں ہوگا لیکن چونکہ وہ مالک مکاتب کو توڑ بھی سکتا ہے لہذا جب تک وہ مال ادا نہ کرے اس وقت تک وہ مکمل غلام رہے گا جبکہ مدبر اور اُم ولد مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہوتے ہیں لہذا ان میں آزاد ہونا یقینی ہے جب یہ صورت حال ہے تو ان کی غلامی میں نقص واقع ہوگا اور اگر مرنے والے مالک کو ان میں تصرف

کا اختیار حاصل ہے لہذا ان میں ملک کامل ہوگی۔

متعلقات نصوص

سوال نمبر ۲۵: نص کا تعلق کتنی اور کون کون سی چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے یا متعلقات

نصوص کتنی اور کون کون سی چیزیں ہیں؟

جواب: نص کا تعلق چار چیزوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

۱۔ عبارت ۲۔ اشارہ ۳۔ دلالت ۴۔ اقتضاء۔ اسی بنیاد پر ان کے یہ نام

رکھے گئے ہیں عبارت المنص اشارۃ المنص۔ دلالت المنص اور اقتضاء المنص۔

عبارۃ المنص سے وہ حکم ثابت ہوتا ہے جس کے لئے کلام کو دہرایا گیا اور اس کا قصد کیا گیا ہو۔

اشارۃ المنص سے ثابت ہونے والا حکم نظم نص ہی سے ثابت ہوتا ہے

اور مقدر عبارت کی ضرورت بھی نہیں ہوتی لیکن جن کل الوجوہ ظاہر نہیں ہوتا ہے

اور نہ ہی اس کے لیے عبارت کو دہرایا جاتا ہے۔

دلالت المنص سے وہ حکم ثابت ہوتا ہے جو مخصوص علیہ حکم

کی علت کے طور پر از روئے لغت معلوم ہوتا ہے اجتہاد اور استنباط کا اس میں

کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اقتضاء المنص سے ثابت ہونے والا حکم عبارت المنص پر اضافہ

ہوتا ہے کیونکہ اس کے بغیر عبارت المنص کا معنی متحقق نہیں ہوتا گویا کہ نص خود اس کا

تعاثر کرتی ہے تاکہ اس کا اپنا معنی صحیح قرار پائے۔

سوال نمبر ۲۶: ان متعلقات نصوص میں سے ہر ایک کی ایک مثال لکھیں؟

جواب: عبارت المنص مع اشارۃ المنص کی مثال:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لَا تُقَاتُوا زُجْرَ الْمُشَافِرِينَ الَّذِينَ أَخْرَجُوا

میں یہ یاد رکھو مالِ غنیمت ان مہاجر و فقراء کے لیے ہے جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا یہ آیت مالِ غنیمت کی مستحقین کے بیان کے لیے چلائی گئی ہے لہذا اس بارے میں یہ جملہ انصاف ہے لیکن چونکہ اشارۃ کے طور پر مہاجرین کا فقر بھی نظمِ نص کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے لہذا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کافر مسلمان کے مال پر غلبہ حاصل کرے تو یہ غلبہ کافر کے لیے ثبوتِ ملک کا سبب بنے گا کیونکہ اگر مال ان مسلمانوں کی ملک میں باقی رہے تو ان کا فقر ثابت نہیں ہوگا لہذا اس مثال میں کافر کی ملکیت کا ثبوت اشارۃ انصاف سے ہوا۔

دلائل انصاف کی مثال | اِنَّ تَعَالٰی کا ارشاد ہے ”وَلَا تَقُولُ لَمْ يَكُنْ اَعُوذُ بِكَ مِنْهُمْ هُمْ اَعُوذُ بِكَ مِنْهُمْ“ اور ان

رماں باپ کو آف نہ کہو اور نہ ہی انھیں جبر کر۔ لغت کی وحی کو جانتے والا انھیں اس آیت کے سننے سے بچ جاتا ہے کہ مالِ باپ کو آف کہنے کی حرمت ان سے اذیت کو دور رکھتا ہے۔

اقتضاء انصاف کی مثال | کوئی شخص اپنی بیوی کو کہتا ہے اَنْتِ طالق کوئی شخص یہ جملہ عورت کی صفت بتاتا ہے۔ لیکن صفت

مصدر کا اقتضاء کرتی ہے۔ پس گویا کہ طالق میں مصدر یعنی طلاق اقتضاء کے طور پر موجود ہے۔

سوال نمبر ۹۹: عبارتہ انقض اور اشارة انقض کے بارے میں جو مثال پیش کی گئی ہے اس کی مزید وضاحت کیجئے اور اس سے ثابت ہونے والے مسائل کا اجمالاً ذکر کیجئے؟
 جواب: جب اشارة انقض سے ثابت ہو کہ مسلمان کے مال پر پھر کا غلبہ کا اثر کی حکیت کو ثابت کرتا ہے تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر کافر سے وہ مال کوئی تاجر خریدے تو یہ سودا صحیح ہے اور خریدنے والا اس کا مالک ہو جاتا ہے اور اس میں اس کا ہر قسم کا تصرف جائز ہے۔ وہ بے بیع ہو سکتا ہے۔ یہ کہہ کر سکتا ہے اور آزاد کر سکتا ہے اسی طرح اس مال کا قیمت بننا صحیح ہے۔ غازی اس کا مالک ہو سکتا ہے اور پہلے مسلمان مالک کو غازی کے ہاتھ سے لینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔

سوال نمبر ۱۰۰: عبارتہ انقض اور اشارة انقض کے سلسلے میں روزے کی مثال بیان کی گئی ہے اس کی وضاحت کریں اور اس سے ثابت ہونے والے احکام کا ذکر کیجئے؟
 جواب: یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "أَحِلَّ لَكُمُ اللَّيْلَةُ الْيَقِيَامُ الْمَرْفُوعُ إِلَى سَائِرِ كُتُوبِ الْفَتْوَى الْقَوْمُ الْيَقِيَامُ إِلَى الْبَقِيلِ" تک یہ آیت اس مقصد کے لیے چلائی گئی ہے کہ رمضان کی راتوں میں عورت سے جماع کرنا جائز ہے لہذا اس سلسلے میں یہ عبارتہ انقض ہے اور اشارة انقض ہے۔ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ صبح کی پہلی جز میں جنابت کے ساتھ روزہ شروع ہو سکتا ہے کیونکہ صبح تک جماع کے جوڑ کا وقت ہے لہذا صبح کی پہلی جز میں جماع کا وقت ختم ہو گا اور ساتھ ہی روزے کا وقت شروع ہو جائے گا تاہم اشارة انقض سے ثابت ہو گیا کہ جنابت اور روزہ ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہیں اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ کلی کرنے اور نہک میں پانی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ روزہ اور جنابت سے غسل کے ساتھ کلی کرنا اور نہک میں پانی ڈالنا اس کے لیے ضروری ہے اور یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ کسی چیز کو چکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ حلق سے نیچے نہ اُمتے کیونکہ روزے کی حالت میں ذر ذر غسل کہتے وقت کلی بھی کہہ جائے گی اور اگر پانی کھلایا نہیں ہو تو وہ بھی استعمال ہو سکتا ہے اور اس صورت

میں روزہ نہیں ٹوٹتا اور ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ روزے کی حالت میں احتلام ہونا سنگی لگوانا اور تیل لگانا روزے کے سنائی نہیں دی کیونکہ روزے کا کہن تین چیزوں سے رک جاتا ہے پورا ہو جاتا ہے اور اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ روزہ رمضان کے لیے رات کو نیت کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ ماہور یہ کہتا ہے کہ اگر وہ عینی (نیت) اس وقت ضروری ہوگا جب امر متوجہ ہوگا اور روزے کا امر دن کی پہلی جمعے کے بعد متوجہ ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔
 شَوْءٌ اَتَتْكُمْ اَنْتُمْ رَاٰی الْقَسْبِ اَوْ رَاٰی شَوْءٌ مِنْ الْفَجْرِ کے بعد
 آیا ہے لہذا نیت بھی اسی وقت لازم ہوگی ۔

سوال نمبر ۹۹ در دلائل انفس کے مسئلے میں مزید وضاحت کیجئے ؟

جواب : در دلائل انفس کا حکم یہ ہے کہ منصوص علیہ میں پائی جانے والی عت جہاں جہاں پائی جائے گی اس کا حکم بھی پایا جائے گا مثلاً "اَنْفِ کَیْنِ" سے اس سے منع کیا گیا ہے کہ اس سے ماں باپ کو ذیت ہوئی ہے ۔ اب جس بات میں ذیت پائی جائے گی ماں باپ کے لیے اس کا استعمال ناجائز ہوگا ۔ مثلاً انہیں مارنا ، گال دینا ، اجرت پر کام لینا ، قرض کے سبب قید کرنا اور نفس میں قتل کرنا یہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جن لوگوں کے نزدیک لفظ اَنْفِ کہنا عزت کی علامت ہے وہاں ماں باپ کو اَنْفِ کہنا حرام نہ ہوگا ۔ اسی زمین میں یہ مثال بھی ہے کہ اگر خرید و فروخت عائدین کو جمع کی طرف سے روزے کے توہم حرام نہ ہوگا ۔ اسی طرح اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو نہیں مارے گا پھر اس نے اس کے بال کھینچے یا گلا گھونٹا تو دیکھیں گے کہ اگر یہ کام تکلیف پہنچانے کے لیے کیے میں تو وہ حانت ہوگا اور اگر مزاح کی صورت تھی تو حانت نہیں ہوگا اور اسی طرح اگر کسی نے قسم کھائی کہ فلاں شخص کو نہیں مارے گا پھر اس کے مرنے کے بعد مارا تو وہ حانت نہیں ہوگا کیونکہ اذیت پہنچانا نہیں پایا گیا اور اسی طرح کسی شخص سے بات نہ کرنے کی قسم کھائی تو موت کے بعد گفتگو کرنے سے حانت نہیں ہوگا کیونکہ انہماک نہیں پایا گیا ۔ اور اگر کوئی شخص قسم کھاتا ہے کہ وہ گوشت نہیں کھائے گا تو پھل اور مکرئی کا گوشت

کمانے سے خاٹ نہیں ہو گا جب کہ خنزیر اور انسان کا گوشت کھانے سے حادث ہو جائے گا کیونکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس گوشت سے بچے گا جو خون سے پیدا ہوتا ہے جبکہ بچل وغیرہ کا گوشت خون سے نہیں بنتا۔

سوال نمبر ۵۰: کسی مثال کے ذریعے منصوص علیہ، غیر منصوص علیہ علت اور حکم کی وضاحت کیجئے؟

جواب: ”لَا تَقُلْ لِهَذَا أَمْرٌ“ یہ منصوص علیہ ہے اس میں علت جو نفی معنی کے اعتبار سے ثابت ہوتی ہے اذیت ہے حکم اُن کا کہنا ہے اور ماں باپ کو گال دینا دینا غیر منصوص علیہ ہے چونکہ اُن نے کہنے کا حکم نص سے ثابت ہے لہذا وہ منصوص علیہ ہے اور اس کی علت یعنی اذیت پہنچانا جب غیر منصوص علیہ میں پائی جائے گی تو اس کا حکم وہاں بھی ثابت ہو جائے گا مثلاً گال دینے سے اذیت پہنچتی ہے تو گال دینا ضروری ہوگا۔

سوال نمبر ۵۱: جب کسی آدمی نے دوسرے کو کہا کہ اپنا غلام میری طرف سے ایک ہزار میں آزاد کر دو تو یہاں غلام کی آزادی کیسے ثابت ہوگی؟

جواب: درحقیقت اس کا دوسرے آدمی کو یہ کہنا کہ میری طرف سے ایک ہزار کے بدلے میں غلام کو آزاد کر دے اس بات کی دلیل ہے کہ تو اپنا غلام مجھ پر بیع دے اور پھر میرا وکیل بن کر مجھے آزاد کر دے لہذا بیع اقتضائے نقض سے ثابت ہوگا اور اگر وہ ایک ہزار کا نہیں کہتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مجھے بطور ہبہ اپنا غلام دے دو اور پھر اے میری طرف سے وکیل بن کر آزاد کر دو۔ یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ بیع کی قبولیت بیع کا رکن ہے لہذا وہ بھی بطور اقتضائے نقض ثابت ہو جائے گی۔

سوال نمبر ۵۲: یہاں بیع اور ہبہ کے سلسلے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے درمیان ایک اختلاف ہے اس کو بوضاحت نقل کریں؟

جواب: امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہبہ کی صورت میں اس غلام پر قبضہ شرط

نہیں ہوگا جیسے بیع میں قبولیت بطور انتضاء ثابت ہو جاتی ہے، بہر میں قبضہ بھی انتضاء ثابت ہو جاتا ہے جب کہ طرفین کے نزدیک بہر میں قبضہ ضروری ہے اور یہ انتضاء ثابت نہیں ہوتا دونوں میں فرق یہ ہے کہ قبولیت بیع کا رکن ہے اور بیع کے ثابت ہونے سے قبولیت بھی ثابت ہو جاتی ہے کیونکہ اِذَا اثْبَتَ الشَّيْءُ نَيْتَ بِجَمِيعٍ لَوْ اِذْمِهْ جبکہ بہر میں قبضہ اس کا رکن نہیں ہے جس سے یہ لازم آئے کہ بہر کے ساتھ قبضہ بھی خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

مسوال نمبر ۵۲: انتضاء النقص کا حکم کیا ہے؟

جواب: اس کا حکم یہ ہے کہ اس سے جو چیز ثابت ہوگی وہ بقدر ضرورت ثابت ہوگی۔ کیونکہ انتضاء النقص کو خود صحت کلام کی ضرورت کے تحت ثابت کیا گیا ہے لہذا اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی سے کہا اَنْتِ طالق اور اس نے تین طلاقیں کی نیت کی تو اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ کیونکہ طلاق بطور انتضاء ثابت ہونے کی وجہ سے ضرورت کے مطابق ثابت ہوگی اور ایک طلاق سے ضرورت پوری ہو جاتی ہے اس ضابطے کے مطابق اگر کسی آدمی نے کہا اِنْ اَکَلْتُ فَاَنْتِ طَالِقٌ (مثلاً) اور اس سے ایک مخصوص کھانے کی نیت کی تو یہ نیت صحیح نہیں ہوگی کیونکہ لفظ اَکَلُ طعام کا تقاضا کرتا ہے لہذا طعام انتضاء النقص ثابت ہونے کی وجہ سے ضرورت کے انداز سے پر ہوگا اور ضرورت فرد مطلق سے پوری ہو جاتی ہے یعنی کھانے کا کوئی فرد بھی پایا جائے اور فرد مطلق میں تخصیص نہیں ہوتی کیونکہ تخصیص کا درجہ عام پر ہوتا ہے اسی طرح کسی آدمی نے جماع کے بعد اپنی بیوی سے کہا کہ عدت گزار اور اس سے طلاق کی نیت کی تو بطور انتضاء طلاق ثابت ہو جائے گی کیونکہ عدت گزار طلاق کو چاہتا ہے لیکن ایک طلاق رسمی ہوگی کیونکہ بیونہ کی صفت ضرورت سے زائد ہے لہذا انتضاء کے طور پر نہ تو طلاق بابت ثابت ہوگی اور نہ ہی ایک سے زائد طلاقیں۔

امر کا بیان

سوال نمبر ۵۴: امر کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کیجئے؟

جواب: امر کا لغوی معنی

امر کا لغوی معنی یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو کچھ یہ کلام کہ

اصطلاحی تعریف | شریعت کی اصطلاح میں دوسرے پر فعل کو لازم کرنے کا
نقصر امر کہلاتا ہے۔

سوال نمبر ۵۵: بعض آئمہ کے نزدیک امر کی مراد یعنی وجوب صیغہ امر کے ساتھ خاص ہے

آپ بتائیں کہ وہ آئمہ کون کون سے ہیں اور ان کی اس بات کا مفہوم کیا ہے؟
جواب: ان آئمہ سے مراد فخر الاسلام بزدوی اور شمس اللامہ سرخسی ہیں ان کے نزدیک امر
قول کے تین مفہوم ہیں جن میں سے دو محال ہیں اور تیسرا صحیح ممکن ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ حقیقت
امر صیغہ امر کے ساتھ خاص ہے تو یہ بات محال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں بھی تکلم تھا اور اس کا
کلام امر نہیں، اخبار، اعتبار، اختیار پر مشتمل تھا لیکن اس وقت امر کا صیغہ نہیں تھا کیونکہ الفاظ حادث
ہیں تو معلوم ہوا کہ ازل میں امر تو تھا لیکن صیغہ امر نہیں تھا لہذا اختصاص ختم ہو گیا۔

اور اگر یہ معنی مراد لیا جائے کہ امر کے حکم سے کوئی چیز اس وقت واجب ہوتی ہے جب
صیغہ امر پایا جائے تو یہ بات بھی محال ہے کیونکہ امر کے صیغہ کے بغیر بھی وجوب ثابت ہو جاتا ہے
مثلاً اس ہادی پر ایمان لانا واجب ہے جس کے پاس اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور اس کو اس
دعوت کا سامع حاصل نہیں ہوئی جیسے امام اعظم فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انبیاء کو نہ بھیجتا
تو ہی عقل مند لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی معرفت واجب ہوتا مگر یہ وجوب بن کی عقل کی بنیاد پر ہے

تو نے مجھ سے محبت کرنے میں اپنے حکم دینے والوں کی اطاعت کی ہے۔ تو انہیں حکم دے کہ وہ بھی اپنے مجبوروں کے بارے میں یہی طریقہ اختیار کریں پس اگر وہ تیری بات مان لیں تو تو ان کی بات مان اور اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو جس نے تیری نافرمانی کی تو بھی اس کی نافرمانی کر۔

ان اشعار میں ترک حکم کو معصیت قرار دیا گیا ہے اور شریعت کے حق میں معصیت سزا کا سبب ہوتی ہے معلوم ہوا کہ مطلق امر واجب کو چاہتا ہے ورنہ اس کے چھوڑنے پر سزا کا مستحق نہ ہوتا۔

سوال نمبر ۵۸: یہ بات جوابی بیان کی گئی ہے اس کی وضاحت مطلوب ہے؟
جواب: اس کی وضاحت یہ ہے کہ امر کی بجا آوری اسی انداز سے پر لازم ہوتی ہے جس قدر امر کو مخاطب پر ولایت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر تم کسی ایسے آدمی کی طرف صیغہ امر متوجہ نہ کرو جس پر تمہاری خزانہ برکات بالکل لازم نہیں تو اس پر امر کا بجالانا واجب نہیں ہوگا لیکن اگر ایسے آدمی کو حکم دو جس پر تمہاری اطاعت لازم ہے مثلاً غلام تو اس پر حکم کا بجالانا بہر حال لازم ہوگا حتیٰ کہ اگر وہ بجا نہیں لانا تو عرفاً اور شرعاً سزا کا مستحق ہے۔ معلوم ہوا کہ امر بجالانے کا لزوم امر کے اختیارات کے انداز سے پر ہوتا ہے اور جب یہ بات ثابت ہو گئی تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو دنیا کے تمام اجزاء میں سے ہر ایک جز پر ہر ایک ملک کامل حاصل ہے اور وہ جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے لہذا وہ آدمی جس کو اپنے غلام میں ہر ایک قاصر حاصل ہے اس کے حکم کا ترک سزا کا سبب ہے تو وہ نافرمان ہو نہیں سکتا۔ وجود میں لائی اور تم پر اپنی نعمتوں کی ببارش کر دی تو اس کا حکم چھوڑ دینا کتنا بڑا جرم ہوگا نتیجہ یہ نکلا کہ امر کا بجالانا واجب ہے۔

سوال نمبر ۵۹: کیا امر بالفعل تکرار کو چاہتا ہے؟ وضاحت کریں؟

جواب: امر بالفعل تکرار کو نہیں چاہتا اور نہ ہی احتمال رکھتا ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنے وکیل کو کہا کہ میری بیوی کو طلاق دے اور وکیل نے اس کو طلاق دے دی پھر وکیل نے اسی عودت سے دوبارہ نکاح کیا تو وکیل کو اس پہلے امر کی وجہ سے طلاق دینے کا اختیار نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کو اپنے نکاح کے لیے وکیل بنا دے یا اپنے غلام کو نکاح کی اجازت دے تو یہ وکالت اور اجازت بھی صرف ایک بار ہوگی۔

سوال نمبر ۹: امر بالفعل تکرار کو کیوں نہیں چاہتا؟

جواب: کسی فعل کا حکم اس فعل کو لایا دیکھنے کی طلب ہوتی ہے اور یہ طلب اختصار کے طور پر ہوتی ہے مثلاً اِصْثَرِبْ یہ مختصر ہے اِفْعَلْ فِعْلُ الضَّرْبِ سے اور اختصار ایک بار کا اتفاق کرتا ہے کیونکہ مختصر اور طویل کلام معنی کے اعتبار سے ایک جیسے ہیں لہذا جب طویل کلام کو مختصر کیا گیا تو اس کا مطلب معنی کی تبدیلی نہیں بلکہ اختصار مطلوب ہوتا ہے اور یہ اختصار ایک بار کو شامل ہوتا ہے تکرار کو نہیں چاہتا۔ ایک وجہ یہ ہے کہ مارنے کا امر ایک معلوم تصرف کی جنس کا امر ہے اور اسم جنس کا حکم یہ ہے کہ وہ جب مطلق بولا جائے تو اس سے ادنیٰ مراد ہوتا ہے۔ اگرچہ کل جنس کا بھی احتمال لگتا ہے۔ لہذا اِصْثَرِبْ میں جب فعل ضرب پایا جاتا ہے تو لفظ ضرب مصدر ہونے کی وجہ سے اسم جنس ہے۔ بنا بریں اس سے مارنے کا ادنیٰ مراد ہوگا اور وہ ایک بار مارنا ہے۔

سوال نمبر ۱۰: اس بات پر کوئی مثال پیش کیجئے کہ اسم جنس سے اطلاق کے وقت ادنیٰ مراد ہوتا ہے؟

جواب: اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے قسم کھائی کہ وہ پانی نہیں پئے گا تو ایک ادنیٰ قطرہ پانی پینے سے بھی حاشٹ ہو جائے گا ہاں اگر وہ دینا بھر کے پانیوں کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہو جائے گی اور اب وہ بالکل حاشٹ نہیں ہوگا کیونکہ دینا بھر کے

پانیوں کا پینا معتذر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب لفظ ماء مطلق بولا اور کوئی نیت نہیں کی تو
ادنیٰ فرد مراد ہوگا اور وہ ایک قطرہ ہے لیکن اگر اسم جنس یعنی لفظ ماء سے اس کے کل افراد
مراد لیتا ہے اور وہ دنیا بھر کے پانی ہیں تو یہ نیت صحیح ہو جائے گی لیکن اب بالکل حائل نہ
ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے اسم جنس کو مطلق نہیں چھوڑا لہذا ایک قطرہ پینے سے حادث
نہیں ہوگا بلکہ اس وقت تک حادث نہیں ہوگا جب تک دنیا بھر کے پانی نہ پی لے لیکن دنیا
بھر کے پانی پینا معتذر ہے لہذا اب اس کی قسم لغو ہو جائے گی۔

دوسری مثال یہ ہے اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے آپ کو طلاق دے
عورت نے جواب میں کہا میں نے طلاق دے دی تو ایک واقع ہوگی لیکن اگر خاوند غیر طلاقوں
کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہوگی اسی طرح اگر دوسرے آدمی سے کہا کہ میری بیوی کو طلاق
دے دے تو جب تک کوئی نیت نہ کرے ایک ہی واقع ہوگی اور اگر تینوں کی نیت کرے تو
تین واقع ہوں گی البتہ دو کی نیت کرے تو یہ نیت صحیح نہیں ہوگی۔ ہاں دو کی نیت مشکوٰۃ لوٹڈی
کے حق میں صحیح ہوگی۔

سوال نمبر ۶۲: اس کی کیا وجہ ہے کہ تین طلاقوں کی نیت صحیح ہو جاتی ہے اور دو
کی صحیح نہیں ہوتی؟

جواب: لفظ طلاق اسم جنس ہے اور جب جنس بولا جاتا ہے تو عند الاطلاق اس کا ادنیٰ فرد
مراد ہوگا جب کہ نیت کرنے سے اس کے کل افراد بھی مراد ہو سکتے ہیں طلاق کا ادنیٰ فرد ایک
ہے اور کل افراد تین ہیں لہذا جب لفظ طلاق بولا جائے تو اس سے ادنیٰ فرد مراد ہوگا یا نیت
کے ساتھ کل افراد مراد ہوں گے اور وہ تین ہیں جب کہ دو محض عدد ہیں البتہ لوٹڈی کے حق میں
دو طلاقیں طلاق کا کل فرد ہیں۔ لہذا ہاں دو کی نیت صحیح ہوگی کیونکہ کل جنس مراد
ہو گئی۔

سوال نمبر ۶۳: جب امر مکرر کہہ کر نہیں چاہتا تو جادات میں مکرر کیسے آگیا؟

جواب : عبادت میں تکرار امر سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ یہ تکرار ان اسباب کے تکرار سے آتا ہے جن سے عبادت کا نفس وجوب ثابت ہوتا ہے یعنی عبادت کا وجوب سبب سے ہوتا ہے اور پھر اس کی ادائیگی کا مطالبہ امر کے ذریعے کیا جاتا ہے نفس وجوب امر سے ثابت نہیں ہوتا اور چونکہ اسباب میں تکرار ہوتا ہے لہذا عبادت میں بھی تکرار ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۹۴ : کوئی ایسی شے دیں جس سے معلوم ہو کہ امر اس چیز کی ادائیگی طلب کرنے کے لیے آتا ہے جو پہلے ہی واجب ہو چکی ہے ؟

جواب : جب کوئی شخص کہتا ہے "اَوْفَوْهُنَّ اَمْلِيَّيْنِ" یا کہتا ہے "اَوْفَوْهُنَّ اَوْفَوْهُنَّ" تو یہاں بیع کی قیمت اور زوجہ کا نفقہ پہلے سے واجب ہیں اور امر کا صیغہ اس کی ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے۔

مامور بہ کی اقسام

سوال نمبر ۹۵ : مامور بہ کی کتنی اور کون کون سی قسمیں ہیں وضاحت کریں ؟

جواب :

مامور بہ کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ مطلق عین الوقت ۲۔ مقید بالوقت۔ پھر مقید بالوقت کی دو قسمیں ہیں ۱۔ وہ جن کے لیے وقت طرف بنے ۲۔ وہ جن کے لیے وقت معیار بنے۔

سوال نمبر ۹۶ : مامور بہ مطلق کا حکم بیان کریں اور مثال دیں ؟

جواب : مامور بہ مطلق کا حکم یہ ہے کہ اس کی ادائیگی تراخی کے ساتھ واجب ہوتی ہے لیکن یہ شرط ہے کہ عمر یعنی زندگی میں فوت نہ ہو اس ضمن میں امام محمدؒ کا قول ہے جو جامع کیر میں مذکور ہے کہ اگر کسی کوی نے نذر مانی کہ وہ ایک حبشہ اعتکاف بیٹھے گا یا وہ ایک حبشہ روزے رکھے گا تو وہ جس پہلے میں چاہے اعتکاف بیٹھو سکتا ہے اور جس پہلے میں چاہے روزے رکھو سکتا ہے۔

زکوٰۃ، صدقہ فطر اور عشر، مطلق عن الوقت میں شامل ہیں لہذا ان میں اگر تاخیر ہو جائے تو کوتاہی شمار نہیں ہوگی اور اگر نصاب ہلاک ہو جائے تو واجب ساقط ہو جائے گا۔

سوال نمبر ۶۷: کہا گیا ہے کہ اگر عانت کا مال ضائع ہو جائے اور وہ فقیر بن جائے تو روزے کے ساتھ کفارہ ادا کرے اس بات کی وضاحت کریں؟

جواب: قسم کے کفارے کے سلسلے میں تین چیزیں بیان کی گئیں ہیں۔ دس مسکین کو کھانا کھلانا یا کپڑے پہنانا یا غلام آزاد کرنا۔ اور اگر یہ نہ کر سکے تو تین دنوں کے روزے رکھنا۔ چونکہ قسم کا کفارہ مطلق عن الوقت ہے لہذا اس میں تاخیر جائز ہے اور تاخیر کی وجہ سے اگر مال ہلاک ہو جائے تو قسم کھانے والا مجرم نہیں ہوگا اس لیے اب اس پر مالی کفارہ لازم نہیں ہوگا اور اسے روزے کی صورت میں کفارہ ادا کرنے کی اجازت ہے۔

سوال نمبر ۶۸: وَعَلَىٰ هَذَا لَا يَجُوزُ قَضَاءُ الصَّلَاةِ فِي الْأَوْقَاتِ الْمَكْرُوهَةِ لِأَنَّهُ لَسَاءٌ قَبْ مطلقاً وَحَبْ كَامِلًا يَخْرُجُ عَنِ الْعَهْدَةِ بِأَوَّلِ النَّاقِصِ اس عبارت کا زیر بحث مسئلہ سے کیا تعلق ہے اور اس کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: نماز جب اپنے وقت سے رہ جائے تو اسے بطور قضاء پڑھتے ہیں اور قضاء کے لیے وقت کی قید نہیں لہذا قضاء ایسا امور یہ ہے جو مطلق عن الوقت ہے اور جب یہ نماز واجب ہوئی تھی اس وقت کامل واجب ہوئی تھی لہذا اب قضاء بھی ایسے وقت میں کی جائے جو کامل ہو کر وہ اوقات میں قضاء نماز پڑھنے سے ذمہ داری پوری نہیں ہوگی کیونکہ ان اوقات میں پڑھنا ناقص اور ایکی ہے لہذا اس مسئلے کا یہاں لانا اس مناسبت سے ہے کہ یہ مطلق عن الوقت کی بحث ہے اور قضا نماز بھی مطلق عن الوقت ہے۔

سوال نمبر ۶۹: اس کی کیا وجہ ہے کہ عصر کی نماز سورج کے سرخ ہوجانے کے وقت لا

کی جاسکتی ہے حالانکہ یہ وقت بھی ناقص ہے ؟

جواب : معوج کے سرخ ہونے کے وقت مطلقاً عصر کی نماز جائز نہیں بلکہ اسی دن کی عصر کی نماز پڑھ سکتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز جب اس سے پہلے نہیں پڑھی گئی تو وجوبِ ادا بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا کہ اب وجوب بھی ناقص ہے اور ادائیگی بھی ناقص ہے جب کہ پچھلی کوئی نماز اس وقت میں نہیں پڑھ سکتے کیونکہ وہ کامل واجب ہوئی تھی اور یہ وقت ناقص ہے اب ادا کرنا ادا کامل نہیں ہوگا۔

سوال نمبر ۱۷ : امر مطلق کے سلسلے میں امام کرخی کے اور ہمارے درمیان کیا اختلاف ہے ؟
جواب : امر مطلق کے سلسلے میں امام کرخی کہتے ہیں کہ یہ علی الفور واجب ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک امر مطلق واجب علی التراخی ہوتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارا اور ان کا یہ اختلاف وجوب میں ہے اس بارے میں کہ جلدی کرنا مستحب ہے کوئی اختلاف نہیں ہے۔

سوال نمبر ۱۸ : مامور بہ موقت کی کتنی اور کون کون سی قسمیں ہیں ؟

جواب : مامور بہ موقت کی دو قسمیں ہیں : ۱۔ جس میں وقت فعل کے لیے ظرف بنتا ہے ۲۔ جس کے لیے وقت معیار بنتا ہے۔

سوال نمبر ۱۹ : موقت جس کے لیے وقت ظرف بنتا ہے اس کی تعریف مثال اور حکم بیان کریں ؟

جواب : موقت جس کے لیے وقت ظرف بنے اس کے کسی حصہ میں فعل پایا جاسکتا ہے پورا وقت فعل میں معروف نہیں ہوتا۔ جیسے نماز، اس نوع کا حکم یہ ہے کہ اس وقت میں اس فعل کی جنس سے دوسرے فعل کا واجب ہونا اس کے منافق نہیں ہے مثلاً اگر کوئی شخص نذر مانے کہ وہ ظہر کے وقت اتنی رکعات نماز پڑھے گا تو اب نذر لازم ہو جائے گی اگر اس وقت میں ظہر کی نماز کی جگہ کوئی دوسری نماز پڑھے تو بھی جائز ہے اگرچہ نماز ظہر کو چھوڑنے سے

گنہگار ہوگا۔ اس نونہ کا یہ حکم بھی ہے کہ مامور ہم معین نیت کے بغیر ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ جب اس وقت اس کے غیر کی ادائیگی جائز ہے تو یہ محض فعل سے متعین نہیں ہوگا۔
سوال نمبر ۳۷: دَرِ اِنْ صَاقَ الْوَقْتُ الْخِ عِبَادَتِ لَکَا سَلْبِہ؟
 جواب: مصنف علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ مامور ہم کی ادائیگی کے لیے نیت ضروری ہے کیونکہ اس وقت جب کہ اس کا غیر بھی ادا کیا جاسکتا ہے تو وہ غیر مزاحم ہوگا اور مزاحمت کی صورت میں نیت ضروری ہوتی ہے چونکہ یہاں یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وقت تنگ ہو جائے اور اس میں صرف مامور ہم ادا ہو سکتا ہو تو اب مزاحم نہ ہونے کی صورت میں نیت کی ضرورت باقی نہیں رہتی تو مصنف نے اس خیال کو دور کرنے کے لیے یہ فرمایا کہ چونکہ اس تمام وقت میں مامور ہم کو چھوڑ کر دوسری عبادت کی جاسکتی ہے لہذا جب وقت تنگ ہوگا تو اس وقت بھی یہی صورت حال ہوگی یعنی وقتی نماز کو چھوڑ کر دوسری ادا کی جاسکتی ہے لہذا وقت کی تنگی کی صورت میں بھی مزاحمت موجود ہے اور مزاحمت کی صورت میں نیت ضروری ہوتی ہے بنا بریں اگرچہ وقت تنگ ہو جائے پھر بھی نیت ضروری ہوگی۔
سوال نمبر ۳۸: مامور ہم موقت جس کے لیے وقت معیار بنتا ہے کی تعریف، مثال اور حکم بیان کریں؟

جواب: اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ مامور ہم تمام وقت کو گھیر لیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وقت کی کمی اور زیادتی سے مامور ہم چھوٹا اور بڑا ہوتا رہتا ہے جیسے روزہ کہ یہ سرویلوں کے دنوں میں چھوٹا ہوتا ہے اور گرمیوں میں بڑا ہوتا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اس وقت میں اسی جنس کی عبادت اس کے علاوہ جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی صحیح متعمم آدمی رمضان کے دنوں میں کسی اور واجب روزہ کی ادائیگی کرنا چاہے تو وہ ادا نہیں ہوگا بلکہ رمضان کا ہی روزہ ادا ہوگا اور یہاں رمضان کے روزے کا تعین بھی ضروری نہیں کیونکہ تعین کی ضرورت مزاحم کی صورت میں ہوتی ہے اور یہاں کوئی مزاحم نہیں ہے اس لیے

کہ رمضان میں کوئی دوسرا دن روزہ رکھنا جائز ہی نہیں۔

سوال نمبر ۵۷: اس کا مطلب یہ ہوا کہ رمضان کے روزے کے لیے نیت ضروری نہیں کیا یہ خیال درست ہے؟

جواب: یہ خیال صحیح نہیں ہے کیونکہ اصل نیت ساقط ہونے سے خود روزہ ہی متعین نہیں ہوتا اس لیے کہ کھانے پینے وغیرہ کوک جانا یعنی اساک شرعی طور پر اسی وقت روزہ کھلانے کا جب نیت کے ساتھ پایا جائے گا لہذا روزے کی نیت ضروری ہے اگرچہ رمضان کا تعین ضروری نہیں۔

سوال نمبر ۵۸: اگر کسی مامور کے لیے شریعت نے وقت مقرر کیا ہو تو کیا بدو اپنی طرف سے تعین وقت کا اختیار رکھتا ہے؟

جواب: اگر شریعت نے کسی عبادت کے لیے وقت مقرر کیا تو بندے کو مقرر کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ مثلاً آٹھائے رمضان کے لیے بندہ کچھ دن متعین کر لیتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ ان دنوں میں قضا و رمضان کے سوا کوئی روزہ نہیں ہو سکتا تو تعین صحیح نہیں ہوگا اور اس کے لیے جائز ہے کہ ان دنوں میں کفارے کے روزے رکھے۔ نظری روزے رکھے۔ رمضان کے روزوں کی قضا کو کفارے یا کوئی اور روزہ رکھے اور چونکہ یہاں وقت متعین نہیں ہوتا لہذا اس صورت میں نیت بھی ضروری ہوگی کیونکہ ان دنوں میں سے قضا کے روزے رکھ سکتا ہے ایسے ہی کفارے وغیرہ کے روزے بھی رکھے جاسکتے ہیں لہذا نیت کے بغیر کسی قسم کا تعین نہیں ہوگا۔

سوال نمبر ۵۹: کیا بندے کو اپنے آپ پر کوئی چیز واجب کرنے کا حق ہے یا نہیں؟

جواب: بندے کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے آپ پر کوئی عمل لازم کر دے موقت ہو یا غیر موقت البتہ وہ حکم شرع میں تبدیلی کا حق نہیں رکھتا مثلاً ایک آدمی نے نذرمانی کہ وہ دن دن روزہ رکھے گا دن کا تعین کیا تو اس پر یہ روزہ لازم ہو جائے گا لیکن اگر اسی دن وہ رمضان

کی تھوڑا قسم کار و نہ رکھتا ہے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ شریعت نے قضاء رمضان کو مطلق رکھا ہے تو اب بندے کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس دن کے علاوہ کے ساتھ معتد کر دے۔

سوال نمبر ۵۸: اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اس معین دن میں جسے اس نے نذر کے روزے کے لیے مقرر کیا ہے کوئی ضرر اور نہ رکھتا ہے تو جائز ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اگر اس دن نفل روزہ رکھے تو وہ نذر کا روزہ ہی ہوگا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ نفل روزہ بندے کا اپنا حق ہے اور اسے یہ اختیار ہے کہ اس روزے کو چھوڑ دے یا ثابت رکھے لہذا جائز ہے کہ اپنے حق میں منذور روزے کو ترجیح دے لیکن اس روزے پر جو شریعت کا حق ہے مثلاً قضاء اور کفارہ اپنے واجب کیے ہوئے کو ترجیح نہیں دے سکتا۔

سوال نمبر ۵۹: کیا اس کی کوئی مثال ہے کہ بندہ اپنے حق میں ترجیح دے سکتا ہے شریعت کے حق میں ترجیح نہیں دے سکتا؟

جواب: جی ہاں۔ ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ اگر میاں پوری غلغلی میں یہ شرط کہیں کہ عورت کے لیے نفقہ ہوگا اور نہ لکھی۔ تو نفقہ ساقط ہو جائے گا سکنی ساقط نہیں ہوگا حتیٰ کہ خاوند اسے عزت دے لے لے کر نہیں نکال سکتا کیونکہ عزت دالے گھر میں عورت کو سکونت دینا یہ حق شرعی ہے اور بندہ اس کو ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتا جب کہ نفقہ خالص عورت کا حق ہے شرعی حق نہیں ہے۔

سوال نمبر ۶۰: اس بات کا امر مامور بہ کے حُسن پر دلالت ہے یا نہیں؟
جواب: اگر امیر صاحب حکمت ہو تو امر مامور بہ کے حُسن پر دلالت کرتا ہے کیونکہ امر اس بات کے بیان کے لیے ہوتا ہے کہ مامور بہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو وجود میں آنا چاہیے لہذا امر اس کے حُسن کا مقتضی تھا۔

حسن مامور بہ

سوال نمبر ۸۱: حسن کے اعتبار سے امور بہ کی کتنی اور کون کون سی قسمیں ہیں؟
جواب: حسن کے اعتبار سے امور بہ کی دو قسمیں ہیں **حسن بنفسہ** و **حسن لغيرہ**۔

حسن بنفسہ وہ ہوتا ہے جس میں حسن، ذات کے اعتبار سے پایا جاتا ہے۔
غیر کی وجہ سے نہیں اس کی مثال اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا انعام دینے والے کا شکر ادا کرنا۔
پچ بولنا، صل کرنا، نماز پڑھنا اور اس کے علاوہ وہ عبادات جو فاضل میں **حسن بنفسہ** کا حکم یہ ہے کہ جب بندے پر اس کی ادائیگی واجب ہو جائے تو یہ ادائیگی کے بغیر ساقط نہیں ہوتا لیکن یہ اس صورت میں ہے جب وہ سقوط کا احتمال رکھتا ہو مثلاً اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا لیکن وہ امور بہ جو سقوط کا احتمال رکھتا ہے وہ ادائیگی سے ساقط ہو گیا یا امر کے ساقط کرنے سے ساقط ہو گا اور اسی بنیاد پر ہم کہتے ہیں کہ جب نماز واجب ہو گئی تو اول وقت میں ادا کرنے سے واجب ساقط ہو گیا یا آخر وقت میں جنون، عیض یا نفاس لاحق ہونے سے کیونکہ شریعت نے ان عوارض کی بنیاد پر مکلف سے نماز کو ساقط کیا ہے لیکن وقت کی تنگی اور پانی یا لباس وغیرہ کے نہ ہونے سے واجب ساقط نہیں ہو گا۔

سوال نمبر ۸۲: حسن لغيرہ کی تعریف اور کچھ مثالیں نیز اس کا حکم کیسے؟
جواب: حسن لغيرہ وہ ہوتا ہے جس کا حسن غیر کی وجہ سے ہو۔ اس کی مثال نماز جمعہ کے لیے سعی کرنا اور نماز کے لیے وضو کرنا ہے کیوں کہ ان دونوں چیزوں میں ذاتی طور پر حسن نہیں پایا جاتا۔ سعی کا حسن اس لیے ہے کہ وہ جمعہ کی ادائیگی تک پہنچانے والی ہے اور وضو کا حسن اس لیے ہے کہ وہ نماز کے لیے مفتاح کی حیثیت رکھتا ہے اس نوع کا حکم یہ ہے کہ جب وہ واسطہ ساقط ہو جائے جس کی وجہ سے اس میں حسن آیا ہے تو امور بہ بھی

ما قاطع ہو جاتا ہے۔ مثلاً جس آدمی پر جمعہ فرض نہیں اس پر سنی بھی فرض نہیں اور جس کے وقت نماز نہیں اس پر وضو بھی فرض نہیں اور چونکہ اس میں حُسنِ طہیر کی وجہ سے آتا ہے لہذا جب تک اس غیر کی تکمیل نہ ہو اس ماحور پر عمل کرنا ضروری ہوتا ہے مثلاً ایک آدمی نے جمعہ کے لیے سنی کی پھر اس کو جمعہ کی نماز قائم ہونے سے پہلے زبردستی اٹھا کر دوسری جگہ لے جایا گیا تو سنی دوبارہ واجب ہوگئی لیکن مقصود سنی کے بغیر حاصل ہو جائے تو پہلی بار بھی سنی واجب نہیں ہوتی مثلاً ایک آدمی جامع مسجد میں اعتکاف بیٹھا ہوا ہے تو اس پر سنی فرض نہیں ہوگی اسی ضمن میں ایک شال یہ ہے کہ اگر ایک آدمی نے وضو کر لیا لیکن نماز کی ادائیگی سے پہلے بے وضو ہو گیا تو اس پر دوبارہ وضو کرنا واجب ہے جبکہ وہ شخص جو وجوب نماز کے وقت با وضو ہو اس پر مطلقاً وضو فرض نہیں ہے۔ ماحور یہ جس میں حُسنِ غیر کی وجہ سے آتا ہے اس میں حدود و قصاص اور جہاد بھی شامل ہیں کیونکہ حدّ اس لیے حُسن ہے کہ اس کے واسطے مجرم کو جرم پر تنبیہ کی جاتی ہے اور جہاد اس لیے حُسن ہے کہ وہ کفّہ کی شرارتوں کو دور کرنے اور کلمہ حق بلند کرنے کا سبب ہے۔ چنانچہ جب یہ واسطہ فرض نہ کیا جائے تو ماحور یہ بھی باقی نہیں رہے گا مثلاً اگر جنیت نہ ہو تو حد واجب نہیں ہوگی اور اگر ایسا کفر نہ ہو جو لڑائی کی طرف لے جاتا ہو تو جہاد واجب نہیں ہوگا۔

اداء و قضاء

سوال نمبر ۸۴: ادائیگی کے اعتبار سے ماحور یہ کی کتنی اور کون کون سی قسمیں ہیں؟

جواب: دو قسمیں ہیں ۱۔ اداء ۲۔ قضاء

سوال نمبر ۸۵: اداء اور قضاء دونوں کی تعریف کیجئے؟

جواب: میں واجب کو اس کے مستحق کے حوالے کرنا اداء کہلاتا ہے اور شل واجب

کو اس کے مستحق کے حوالے کرنا قضاء ہے۔

سوال نمبر ۸۵: ادا کی کتنی قسمیں ہیں تعداد اور نام بتائیں؟

جواب: ادا کی دو قسمیں ہیں ۱۔ ادا کا بل ۲۔ ادا کا قاصر۔

سوال نمبر ۸۶: ادا کا بل کی تعریف اور اس کا حکم بیان کیجئے؟

جواب: ادا کا بل وہ ہے کہ مامور یہ کو بعینہ تمام حقوق کے ساتھ ادا کیا جائے

اس کی مثال

غاز کا اپنے وقت میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا۔ با وضو طواف کرنا۔ بیع صحیح سلامت مشتری کے حوالے کرنا جیسے عقد کا قضا ہے۔ غاصب کا مفسورہ چیز کو اسی حالت میں جیسے غصب کیا ہے مالک کے حوالے کرنا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ جب اس انداز میں ادا ایگی ہو جائے تو ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے۔

سوال نمبر ۸۷: اگر غاصب مفسورہ مال مالک پر بیع دیتا ہے یا اس کے پاس رہن رکھتا ہے یا اسے ہبہ کرتا ہے اور اس کے سپرد بھی کر دیتا ہے تو کیا یہ ادا کا بل ہو جائے گی۔

جواب: ان صورتوں میں چونکہ غاصب نے مالک کا حق کامل طور پر ادا کر دیا ہے لہذا یہ ادا کا بل ہوگی اور جو الفاظ اس نے بیع۔ رہن اور ہبہ وغیرہ کہے ہیں وہ لغو ہو جائیں گے کیونکہ یہ چیز اُسی کی تھی جس کے پاس بیع ہو چکی ہے۔ اسی ضمن میں ایک مثال یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے کھانا غصب کیا یا کپڑا غصب کیا پھر وہ مالک کو کھانا دیتا ہے یا کپڑا اسے پہنا دیتا اور اسے یہ معلوم نہیں کہ یہی شخص ان چیزوں کا مالک ہے تو اس صورت میں بھی ادا ایگی ہو جائے گی کیونکہ مالک تک اس کا حق پہنچ چکا ہے۔ اسی طرح بیع فاسد میں جب بیع مشتری کے پاس آگیا پھر اس نے وہ بیع باطل کو ادا کر دیا یا اس کے پاس رہن رکھا یا اس کو اجرت

پر دیا یا اس پر بیع دیا یا اُسے ہبہ کیا اور اس کے حوالے بھی کر دیا تو یہ اس بائع کے حق کی ادائیگی ہوگی اور بیع وغیرہ کے الفاظ جو اس نے بولے ہیں لغو ہو جائیں گے کیونکہ بیع مفاد کی صورت میں مشتری کی ذمہ داری تھی کہ بیع بائع کے حوالے کرتا اور وہ اس نے بائع کے حوالے کر دی۔

سوال نمبر ۸۸: ادا و قاصر کی تعریف، حکم اور مثال لکھیں؟

جواب: عین واجب کو مستحق کے حوالے اس صورت میں کرنا کہ اس کی صفت میں نقصان ہو قَطْلُهُ عَيْنُ الْوَجِبِ مَعَ انْقِصَانٍ فِي صِفَتِهِ مثلاً تعدیل ارکان کے بغیر نماز پڑھنا بغیر وضو کے طواف کرنا اور بیع کو اس صورت میں لوٹانا کہ اس پر قرض ہو یا اس نے کوئی جزم کیا ہو یعنی جب بیع غلام یا لونڈی ہو اور اس نے مشتری کے پاس اگر قرض لیا یا کوئی جزم کیا تو اب یہ اس صورت میں بائع کی طرف واپس جلد ہے کہ اس میں ایک نقصان پیدا ہو گیا اسی طرح مغضوب غلام مالک کی طرف اس طرح لوٹانا کہ اس نے کسی کو قتل کیا اور وہ اب باح الترم ہے یا اس نے قرض لیا ہے یا غاصب کے قبضے میں رہتے ہوئے کسی سبب سے اس پر جنابت آئی ہے اسی طرح کھربے نگوں کی جگہ گھوٹے کے واپس کرنا جب کہ قرض خواہ کو اس کا علم نہ ہو یہ تمام ادا و قاصر کی صورتیں ہیں۔

حکم ادا و قاصر کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کی مثل کے ساتھ جبر نقصان ہو سکتا ہے تو نقصان پورا کیا جائے گا ورنہ نقصان کا حکم ساقط ہو جائے گا البتہ گناہ باقی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب نماز میں تعدیل ارکان کو چھوڑ دیا تو اس کا ازالہ مثل کے ساتھ ممکن نہیں ہے کیونکہ بندے کے پاس اس کی مثل عقلاً اور شرعاً نہیں ہے لہذا یہ ساقط ہو جائے گا۔

سوال نمبر ۸۹: نامورہم کو ادا کی صورت میں ہجاء الاصل ہے یا تضاد کی صورت میں؟

جواب: نامورہم کو ادا کی صورت میں ہجاء الاصل ہے ادا کا اصل ہر یا قاصر قضاء کی طرف اس وقت رجوع ہوتا ہے جب ادا مشکل ہو کیونکہ قضاء خلف ہے اور خلف کا اعتبار اس وقت

ہوتا ہے جب اصل پر عمل کرنا منع ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امانت۔ وکالت اور غصب میں مال متین ہو جاتا ہے اور اگر وہ شخص جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے یا وکیل اور غاصب اصل کو روکنا اور اس کی مثل دینا چاہیں تو انہیں اس بات کا حق نہیں ہے کہ چونکہ اصل مال لوٹانا ادا ہے اور مثل دینا نقصا ہے اور کسی عذر کے بغیر وہ قضا کی طرف نہیں جاسکتے اسی طرح اگر کسی آدمی نے کوئی چیز بیچی اور اُسے مشتری کے حوالے بھی کر دیا پھر اس میں عیب ظاہر ہو گیا تو مشتری کو وہ چیز قبول کرنے اور چھوڑنے کا اختیار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ اصل چیز موجود ہے لہذا اس کو لینا یا ادائیگی شمار ہوتی ہے چونکہ ادائیگی اصل ہے اس لیے وہی چیز لینا پڑے گی یا بیع کو ختم کرنا پڑے گا کیونکہ قضا یعنی مثل کی طرف نہیں جاسکتے۔

سوال نمبر ۹: کیا امام شافعی کے نزدیک بھی یہی ضابطہ ہے کہ اداء اصل ہے اس سلسلے میں مانوں نے کوئی مثال پیش کی ہے تو بتائیے؟

جواب: امام شافعی کے نزدیک بھی اداء ہی اصل ہے چنانچہ ان کے نزدیک اگر غصب کے پاس منسوب چیز میں بہت زیادہ تبدیلی بھی واقع ہو جائے تو پھر بھی عین منسوب کو ہی لوٹانا ہر گز اور نقصان کے باعث ضمان ہوگی اسی طرح اگر کسی آدمی نے گھوم چوری کی پھر اسے پیسہ یا کوئی شہتیر غصب کیا اور اس پر مکان بنادیا یا بکری غصب کر کے اسے فسخ کیا اسے بھونایا یا گھور غصب کر کے ان کا رس نکالا یا گندم غصب کر کے اسے زمین میں بویا اور کھیتی بھی لگائی تو ان تمام صورتوں میں غصب کی ہر بی چیز میں امام شافعی کے نزدیک مالک کی ہوں گی کیونکہ ادا کا تقاضا یہی ہے کہ اصل چیز مالک کو واپس کر دی جائے۔

سوال نمبر ۱۰: کیا وجہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں اصناف کے نزدیک غاصب پر لازم ہے کہ ان چیزوں کی قیمت مالک کو ادا کرے حالانکہ قاعدے کے مطابق یہی چیزیں واپس کرنا چاہیے جیسے امام شافعی فرماتے ہیں؟

جواب: اصناف کے نزدیک بھی وہ ہی قاعدہ ہے لیکن ان صورتوں میں اصل چیز کو مالک کی

طرف لوٹنا، مستند ہے اس لیے کہ تبدیلی کی وجہ سے اصل چیز باقی نہیں رہی۔ لہذا منصوبہ کے بدل جانے سے اس کا حکم بھی بدل گیا اور اب یہاں ادا کی بجائے قضا پر عمل ہوگا۔

سوال نمبر ۹۴: اگر چاندی کا ٹکڑا غصب کر کے درہم بنالیا جائے یا سونے کا ٹکڑا غصب کر کے دینار بنالیا جائے یا بکری غصب کر کے اسے ذبح کر دیا جائے۔ رُوئی غصب کر کے اسے کاٹا جائے یا دھاگہ غصب کر کے اسے بٹن لیا جائے تو احناف کے نزدیک کیا حکم ہوگا؟

جواب: یہی صورتوں میں احناف کے نزدیک مالک کا حق ان چیزوں میں باقی رہے گا یہ ظاہر روایت کے مطابق ہے پھلی صورتوں اور ان صورتوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں عین منصوبہ بالکل بدل گئی تھی اور اصل کی ادائیگی مشکل ہو گئی تھی لیکن یہاں ایسی تبدیلی واقع نہیں ہوئی جس کی وجہ سے مثل کی طرف جانا پڑے کیونکہ اس بدلی ہوئی صورت میں بھی ان چیزوں کا اصل نام باقی ہے۔

نوٹ: کیونکہ اصل چیز ادا ہے اور قضا کی طرف اس وقت رجوع کیا جاتا ہے جب ادا مشکل ہو اس لیے اگر کسی وقت اس کی ادائیگی ممکن ہو جائے تو اصل چیز ہی مالک کی طرف لوٹنا ہوگی مثلاً کسی نے غلام غصب کیا اور وہ گم ہو گیا پھر غاصب نے اس کی قیمت سے دی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد غلام مل گیا تو اب غاصب پر لازم ہے کہ وہ غلام کو اس کے مالک کے حوالے کرے اور مالک پر واجب ہے کہ وہ اس کی قیمت جو اس نے لی تھی واپس لوٹا دے۔

سوال نمبر ۹۵: قضا کی کتنی قسمیں ہیں تغدا اور نام بتائیں؟

جواب: قضا کی دو قسمیں ہیں ۱: کامل ۲: قاصر۔

سوال نمبر ۹۶: قضا کے کامل کسے کہتے ہیں اور قضا کے قاصر کیا ہے؟ دونوں

۱۴۸ بھی دیکھو۔

جواب : قضاے کامل ایسی چیز کا مستحق کو سوچنا ہے جو مورد تاؤ اور معنی واجب کی مثل ہو کسی آدمی نے گندم کا ایک قیصر غصب کیا پھر اسے ہلاک کر دیا تو ایک قیصر گندم کا ضامن ہو گا اور اب جو کچھ اس نے مالک کے سپرد کیا ہے یہ اس غصب شدہ کی مثل ہے صورت کے اعتبار سے بھی اور معنی کے اعتبار سے بھی تمام مثل چیزوں میں یہی حکم ہے مثلی چیزوں سے مراد کیلی اور ذنی چیزیں ہیں اور اگر عددی چیزیں ہوں لیکن وہ آپس میں تقریباً تقریباً برابر ہوں تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔

قضاے قاصر وہ ہے جو واجب کی صورت کے اعتبار سے مثل نہ ہو لیکن معنی کے اعتبار سے اس کی مثل ہو مثلاً ایک آدمی نے بکری غصب کی پھر وہ ہلاک ہوئی تو قیمت کا ضامن ہو گا اور یہ قیمت معنی کے اعتبار سے بکری کی مثل ہے صورت کے اعتبار سے نہیں ہے لہذا یہ قضاہ قاصر ہے۔

سوال نمبر ۹۵ : قضا میں اصل کیا ہے؟

جواب : ادا کی طرح یہاں بھی اصل قضا کامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعظم عفراتے جب کسی آدمی نے مثلی چیز غصب کی اور وہ اس کے ہاتھوں ضائع ہو گئی اور بازار سے بھی تاپید ہو گئی تو اس کی قیمت کا ضامن ہو گا اور یہ قیمت جھگڑے کے دن سے معتبر ہو گی کیونکہ مثل کامل کے سوچنے سے اس کا حاجت ہونا جھگڑے کے وقت ظاہر ہوتا ہے جھگڑے سے پہلے عجز ظہر نہیں ہو گا کیونکہ مثل کا حصول ہر طرح تصور کیا جاسکتا ہے۔

سوال نمبر ۹۶ : اگر کسی چیز کی نہ صورتاً مثل ہو نہ معناً تو پھر کیا ہو گا؟

جواب : جس چیز کی نہ صورتاً مثل ہو اور نہ معناً وہاں قضا کا مثل کے ساتھ واجب کرنا چونکہ ممکن نہیں ہے اس لیے وہ ضامن نہیں ہو گا یہ احناف کا مسلک ہے امام شافعی کے نزدیک اس پر ضامن آئے گی اسی ضابطے کی بنیاد پر احناف کہتے ہیں کہ اگر ضائع ضائع ہو جائیں تو ان کی ضمان نہیں ہو گی کیونکہ یہاں نہ تو عین کے ساتھ ضامن ممکن ہے اور نہ مثل

کے ساتھ کیونکہ کوئی عین چیز منفعت کی مثل نہیں ہو سکتی نہ صورتاً نہ معناً جیسا کہ ایک آدمی نے غلام غصب کیا اور ایک مہینہ اس سے خدمت لی یا ایک مکان غصب کیا اور اس میں ایک مہینہ ٹھہرا پھر مقصوب چیز ملک کو لوٹا دی تو اس پر منافع کی ضمان نہیں ہوگی البتہ وہ گنہگار ہوگا اور اس کی سزا دار اسخرت کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

سوال نمبر ۹۷: اس ضمن میں کوئی اور مثال پیش کیجئے؟

جواب: اس صورت میں ایک مثل یہ ہے کہ ایک آدمی کے خلاف گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے اپنی بیوی کو دخول کے بعد طلاق دی، قاضی نے ہر کی ادائیگی اور ان کے درمیان نفرت کا فیصلہ دے دیا اس کے بعد گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو اس میں نقصان کی کوئی مثل نہیں ہے لہذا گواہوں پر کوئی ضمان نہیں ہوگی۔ اسی طرح ایک مثال یہ ہے کہ کسی آدمی نے دوسرے کی بیوی سے دہلی کی نواب وہ عورت کے خاوند کے لیے کسی چیز کا ضمان نہیں ہوگا کیونکہ یہاں کوئی مثل موری یا معنوی نہیں ہے۔

سوال نمبر ۹۸: کیا کوئی ایسی مثال بھی ہے کہ موری اور معنوی مثل نہ ہونے کی صورت میں شریعت نے کوئی مثل مقرر کر دی ہو یا ہم دیکھتے ہیں کہ شیخ فانی روزے کی جگہ فدیہ دیتا ہے یا قتل خطا میں دیتا واجب ہوتی ہے حالانکہ یہ دونوں چیزیں اصل کی مثل نہیں ہیں صورتاً بھی اور معناً بھی فدیہ روزے کی مثل نہیں ہے اور دیت نفس کی مثل نہیں۔

جواب: بعض اوقات مثل موری یا معنوی نہ ہونے کی صورت میں خود شریعت ایک مثل مقرر کر دیتی ہے اسے مثل شرعی کہتے ہیں لہذا وہاں مثل شرعی کے ساتھ قضا واجب ہو جاتی ہے جیسے شیخ فانی جو روزہ نہ کھنے پر قادر نہیں وہ فدیہ دے دے اور جس نے کسی کو غلطی سے قتل کیا وہ دیت ادا کرے حالانکہ روزے اور فدیے میں کوئی مشابہت نہیں اور اسی طرح انسانی جان اور دیت میں کوئی مشابہت نہیں ہے۔

نہی کا بیان

سوال نمبر ۹۹: نہی کی تعریف اور اقسام بیان کریں؟

جواب: نہی لغت میں نہی کا معنی روکنا ہے اہل اصول کی اصطلاح میں نہی کی تعریف یہ ہے:
 اِسْتِدْعَاءُ قَرْنِ الْفِعْلِ بِالْفِعْلِ مَتَّحٍ هُوَ كَوْنُهُ — يَأْخُذُ الْقَائِلُ لِنَهْيِهِ لَا تَفْعَلْ
 عَلَى تَبْيِيحِ الْاِسْتِدْعَاءِ لِأَنَّهُ يَحْجُزُ كَمَا كُنِيَ كَمَنْ يَحْجُزُ كَمَنْ يَحْجُزُ كَمَنْ يَحْجُزُ كَمَنْ يَحْجُزُ
 بنیاد پر دوسرے (چھوٹے) کو کتنا کہ فلاں کام نہ کرو۔

نہی کی دو قسمیں ہیں ۱۔ افعالِ حیثیہ سے نہی، جیسے زنا کاری، شراب نوشی، جھوٹا ادا ظلم وغیرہ سے روکنا۔

۲۔ شرعی تصرفات سے نہی جیسا کہ قربانی کے دن روزہ رکھنے، مکروہ وقتوں میں نماز پڑھنے اور مرد و عورتوں کے بدلے ایک دوسرے کی بیعت سے منع کرنا۔

سوال نمبر ۱۰۰: ان دونوں صورتوں میں نہی کا حکم کیا ہوگا؟

جواب: پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ منہی عنہ اس چیز کا عین ہوتی ہے جس پر نہی وارد ہوئی ہے
 لہذا منہی عنہ ذاتی طور پر بیعت ہوگی اور وہ بالکل جائز نہیں ہوگی مثلاً شراب نوشی میں قباحت ذاتی
 طور پر پائی جاتی ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس میں منہی عنہ اس چیز کا غیر ہوتی ہے جس کی طرف نہی کی اضافت
 کی گئی لہذا منہی عنہ میں ذاتی طور پر حرج پایا جاتا ہے اور غیر کی وجہ سے وہ بیعت ہوتی ہے اور اس
 کا ارتکاب کرنے والا غیر کی وجہ سے حرام کا مرتکب ہوتا ہے اس کی ذات کی وجہ سے نہیں مثلاً عید

کے دن روزہ رکھنا منع ہے یہاں حقیقت میں منہی منہر روزہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نہانی سے
منہ پھیرنا ہے لہذا اس کی وجہ سے عید کے روزے میں قباحت آئی ہے روزہ اپنی ذات
میں قبیح نہیں ہے۔

سوال نمبر ۱۰۰: اصول فقہ کا یہ قانون کہ تصرفات شرعیہ سے ہی ان کی بقا و تقریبہ (کجاہتی
سے کیسے ثابت ہوتا ہے اور اس کا مطلب کیا ہے؟

جواب: اس ضابطے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ تصرفات شرعیہ کا وجود شریعت پر موقوف ہوتا
ہے اور ان کا اپنا حسی وجود نہیں ہوتا لہذا اگر ان تصرفات شرعیہ سے منع کرنے کی صورت میں
ان کی مشروعیت باقی رہنے کی وجہ سے ان کا وجود شرعی ختم ہو جاتا تو انسان اس کو حاصل کرنے
سے عاجز ہو جاتا ہے اس بنیاد پر لازم آتا کہ ایک عاجز کو کسی کام سے روکا جا رہا ہے حالانکہ
شارع سے یہ بات محال ہے کہ وہ عاجز کو نہی کرے لہذا تصرفات شرعیہ کا وجود نہی کے بعد بھی
باقی رہے گا اور اسے اہل اصول نے اس بنیاد پر ثابت کیا ہے کہ تصرفات شرعیہ میں ذاتی طور
پر قباحت نہیں پائی جاتی اور اس سے انفعال جیسے اور انفعال شرعیہ میں فرق واضح ہو جاتا ہے
کیونکہ انفعال جیسے کا وجود شریعت پر موقوف نہیں ہے لہذا اگر انفعال جیسے سے منع بھی کیا
جائے تو بھی ان کا وجود حسی باقی رہتا ہے اور اس صورت میں عاجز کی نہی لازم نہیں آتی۔

سوال نمبر ۱۰۱: اس ضابطے سے کون کون سے مسائل متفرع ہوتے ہیں؟

جواب: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیع فاسد میں جب بیع پر قبضہ کر لیا جائے تو ملک
حاصل ہو جاتی ہے۔ البتہ اس کے حرام ہونے کی وجہ سے اس کو توڑنا واجب ہے اسی طرح
اگر فاسد اجارہ کیا مثلاً مکان اجرت پر دیا اور دینے والے نے اس میں ایک مہینہ رہنے
کی شرط عائد کر دی تو اس سے بھی اجارہ لازم ہو جاتا ہے لیکن حرام ہونے کی وجہ سے اس کو
توڑنا ضروری ہے اسی طرح اگر کسی نے قربانی کے دن روزہ رکھنے کی نذر مافی تو یہ نذر لازم ہو
جائے گی لیکن اس کو یہ روزہ کسی دوسرے دن رکھنا چاہیے

مسئلہ نمبر ۱۰۳۔ آپ کا یہ بیان کہ وہ قاعدہ صحیح نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرک عورت سے اور باپ کی ملکیت سے غیر کی عدت گزارنے والی عورت سے غیر کی ملکیت سے اور محرم سے نکاح کرنا نیز گواہوں کے بغیر نکاح کرنا تصرفات شرعیہ ہیں۔ لہذا یہ قبیح بغیرہ ہیں اور اس قاعدہ کے مطابق ان کی مشروعیت باقی رہنی چاہیے لیکن آپ اس کو تسلیم نہیں کرتے معلوم ہوا یہ قاعدہ صحیح نہیں ہے؟

جواب : نکاح کی صورت میں جو چیز واجب ہوتی ہے وہ تصرف حلال ہونا ہے اور جس چیز سے منع کیا گیا ہے وہ تصرف حرام ہونا ہے اب اگر یہاں مشروعیت کو باقی رکھا جائے تو محنت اور حرمت کا اجتماع لازم آئے گا جو کہ محال ہے لہذا یہاں بھی کوئی پر عمل کیا جائے گا گویا کہ یہ نکاح ہو سکتا ہی نہیں اس میں اور چیزیں یہ فرق ہے کہ بیع کا موجب ملک ہے اور تصرف سے مانعت ہے اور ملک کا پایا جانا اور تصرف کا نہ پایا جانا دونوں جمع ہو سکتے ہیں جب کہ نکاح کی صورت میں تصرف حلال ہوتا اور اس سے بھی کوئی صورت میں تصرف ہی حرام ہوتا ہے لہذا وہاں ایک ہی چیز حلال بھی ہوگی اور حرام بھی اور یہ صحیح نہیں ہے۔

اعتراف : جب ان اوقات میں نفل شروع کرنا کہ وہ ہے تو ان کو پورا کرنا کیسے ممکن ہو گا کہ چونکہ اس صورت میں حرام کا ارتکاب لازم آتا ہے؟

جواب : ان لواظیل کو پورا کرنے کے لزوم سے حرام کا ارتکاب لازم نہیں آتا اس لیے کہ اگر وہ کچھ دیر مہر کرے یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے یا غروب ہو جائے یا ڈھل چکا ہو تو کراہت کے بغیر پورا کرنا ممکن ہے عیب کہ عید کے دن کاروزہ شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتا کیونکہ اس کو پورا کرنے میں حرام کے ارتکاب سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ یہ طریق کے نزدیک ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۰۴۔ غیر کے سب سے آنے والی نہیں کی کچھ اور مثالیں لکھیں؟

جواب : اس کی مثال جائیداد محنت سے جماع کرنا ہے کیونکہ اس سے جماع ناپاکی کی وجہ

سے منع کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **يَسْمَعُ لَكَ مِنَ الْمُحِيصِينَ قُلْ هُوَ آدَمِيٌّ فَاَتَعْبُدُونَ
الْفِئَسَاءَ فِي الْمُحِيصِينَ وَلَا تَقْرَبُوا هَٰؤُلَاءِ حَتَّىٰ يَطْهَرُوا**۔

چونکہ عائشہ عورت سے ولی کرنا غیر کی وجہ سے منع ہے لہذا اگر کسی شخص نے اس سے ولی
کی تو اگرچہ اس نے حرام کا ارتکاب کیا لیکن احکام ثابت ہو جائیں گے۔ مثلاً وہ شخص محض شمار ہوگا
پہلے خاوند کے لیے وہ عورت حلال ہو جائے گی۔ پورا ہنر، عزت اور نفوذ بھی لازم ہو جائے گا اور اگر وہ
عورت بہر کی عدم ادائیگی کی وجہ سے خاوند کو چار سے روک دے تو صاحبین کے نزدیک وہ باقران
شمار ہوگی لہذا انفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔

ضابطہ بہر فعل کی حرمت احکام کے مرتب ہونے کے نافی نہیں ہے مثلاً عائشہ عورت کو
طلاق دی جائے۔ غضب شدہ پانی سے وضو کیا جائے۔ غضب شدہ تیرے شکار کیا جائے
غضب شدہ چھری سے ذبح کیا جائے اور مقصود زمین میں نماز پڑھی جائے۔ جمعہ کی اذان کے
وقت خرید و فروخت کی جائے تو اگرچہ یہ سارے کام حرام ہیں لیکن ان پر احکام مرتب ہوں گے
اور یہ تصرفات صحیح ہو جائیں گے۔

اسی بنا پر قرآن پاک کی آیت کریمہ **وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا** کے ضمن
میں ہم کہتے ہیں کہ فاسق اہل شہادت سے ہے۔ لہذا اتفاق کی شہادت سے نکاح منع ہے
جانتا ہے کیونکہ شہادت کی قبولیت سے روکنا اہلیت شہادت کے بغیر عمل ہے یعنی جس
آدمی میں شہادت کی اہلیت نہ پائی جائے اس کی گواہی لینے سے روکنے کا کوئی مطلب نہیں
ہے تو جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی گواہی قبول کرنے سے منع فرمایا جن کو قذف کی حد لگی
ہے تو معلوم ہوا کہ وہ شہادت کی اہلیت تو رکھتے ہیں لیکن ان کی طرف سے گواہی کی ادائیگی
صحیح نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگوں پر لعان بھی واجب نہیں ہے کیونکہ لعان میں بھی
گواہی دینا ہوتی ہے اور فاسق گواہی نہیں دے سکتا۔

معرفت نصوص کے طریقے

سوال نمبر ۱۰۵: نصوص کی مراد پہچاننے کے کتنے اور کون کون سے طریقے ہیں؟
 جواب: نصوص آیات ہوں یا احادیث ان کی مراد جاننے کے میں^{۱۳} طریقے ہیں،
 ۱۔ کوئی لفظ جب کسی معنی کے لیے بطور حقیقت اور دوسرے معنی کے لیے بطور مجاز استعمال
 ہوتا ہو تو حقیقت پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔

۲۔ جب کسی لفظ کے معنی میں دو احتمال ہوں اور ان میں سے ایک کی وجہ سے نص میں
 تخصیص واجب ہوتی ہو تو جو معنی تخصیص کو مستلزم ہو وہ مراد لینا اولیٰ ہے۔
 ۳۔ جب کوئی نص قرآنی دو قراءتوں سے پڑھی جائے یا کوئی حدیث دو روایتوں سے مروی
 ہو تو ایسے طریقے پر عمل کرنا اولیٰ ہے جس سے دونوں صورتوں پر عمل کر سکے۔

سوال نمبر ۱۰۶: مثالوں کے ذریعے ان تین طریقوں کی وضاحت کریں؟
 جواب: پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ جوڑی زنا کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے احناف کے
 نزدیک زانی گاہی سے نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ وہ اس آدمی کی حقیقی بیٹی ہے لہذا قرآن پاک
 کی اس آیت **حُذِّمَتْ حَلٰلٌ مِّنْ حَرْمِكُمْ وَلٰتُكُمُ الْاٰلِهَةُ تَحْتَ دَاخِلٍ** ہوگی یہاں اگرچہ پیرش کی
 جہاز اس کی بیٹی نہیں سمجھی جاتی کیونکہ نکاح کے بغیر پیدا ہوئی ہے لیکن چونکہ وہ اس کے پانی سے
 پیدا ہوئی ہے لہذا حقیقتاً وہ اس کی بیٹی ہے اور یہاں حقیقت پر عمل کرنا اولیٰ ہے اس لیے
 احناف نے اسی پر عمل کیا جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف ہیں۔ اس حنفی و شافعی
 اختلاف کی بناء پر ہمارے نزدیک زانی اس سے طے نہیں کر سکتا اس کا ہر اور نطق واجب نہیں
 ہوگا۔ وہ ایک دوسرے کے طرف نہیں ہوں گے اور اسے گھر سے نکلنے سے روک نہیں کر سکتا
 کیونکہ وہ اس کے نکاح میں نہیں ہے جب کہ امام شافعی کے نزدیک چونکہ اس کا نکاح صحیح ہے
 لہذا یہ تمام باتیں لازم ہو جائیں گی۔

سوال نمبر ۱۰۷

سوال نمبر ۱۰۸

۱۷
 ۱۔ دوسری صورت کی مثال "اَوْ لَبَسْتُكَ الْفَيْسَا" اگر ملاست کو جماع پر محمول
 کیا جائے تو جماع کی تمام صورتوں پر عمل ہو جائے گا اور اگر ہاتھ لگانے پر محمول کیا جائے
 جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے تو یہ نفع بعض صورتوں کے ساتھ خاص ہوگی کیونکہ امام شافعی
 کے نزدیک صحیح قول کے مطابق عداۃ اور بالکل چھوٹی ہنجی کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا دونوں
 مذاہب کی بنیاد پر کچھ مسائل متفرع ہوتے ہیں مثلاً عورت کو ہاتھ لگانے سے جو کہ ہمارے نزدیک
 وضو نہیں ٹوٹتا لہذا اس کے بعد نماز پڑھنا، قرآن پاک کو ہاتھ لگانا، مسجد میں داخل ہونا، اہانت
 کا صحیح ہونا یہ تمام باتیں ہمارے نزدیک جائز ہیں جب کہ امام شافعی کے نزدیک عورت کو ہاتھ
 لگانے والا اگر پانی نہ پائے تو اس پر تعظیم واجب ہو جاتا ہے یا نماز کے دوران اسے یاد آئے کہ
 میں نے عورت کو ہاتھ لگایا ہے تو اب پانی نہ ہونے کی صورت میں تعظیم کرنا ضروری ہے۔

۲۔ تیسری صورت کی مثال یہ ہے کہ قرآن پاک میں آیت وضو "وَاَذْجِبْ لَكَ" وضو
 نصب و جبر دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ نصب کی صورت میں مفسول پر اور جبر کی صورت
 میں مسوع پر عطف ہوگا اب دونوں پر عمل کرنے کی صورت یہ ہے کہ جبر والی قرأت کو موزے
 پہننے کی صورت اور نصب والی قرأت کو نہ پہننے کی صورت پر محمول کیا جائے گا اسی مسئلے کے اعتبار
 سے بعض فقہاء نے فرمایا کہ موزوں پر مسح کا ہوا قرآن پاک سے ثابت ہے۔

اس کی دوسری مثال حَتَّىٰ يَظْهَرُونَ کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ دو فقرات ہیں
 اگر عورت کو دس دن حیض آئے تو تخفیف والی قرأت پر عمل ہوگا یعنی حیض والی عورت سے اس
 کے غسل کرنے سے پہلے ہی جماع کرنا جائز ہے کیونکہ یہاں اس کا محض پاک ہونا کافی ہے اور وہ
 حیض کے ختم ہوجانے سے پاک ہو جاتی ہے اور اس کا حیض دس دنوں سے کم دنوں میں ختم ہو تو
 تشدید والی قرأت پر عمل کرنا ضروری ہوگا یعنی جب تک وہ غسل نہ کر لے یا اتنا وقت نہ
 گزر جائے کہ جس میں وہ غسل کر کے کم از کم نماز کی تکمیل تحریر یہ کہ اس وقت تک اس سے جماع
 جائز نہیں ہوگا کیونکہ یہاں خوب پاک ہونے کا حکم ہے۔

ضعیف دلائل

سوال نمبر ۱۰: کیا کچھ ایسے دلائل بھی ہیں جو اسناف کے نزدیک ضعیف ہیں ان کے نشانہ ہو کر
کریں اور ضعف کی وجہ بتائیں؟

جواب: ہاں کچھ ایسے دلائل بھی جو اسناف کے نزدیک ضعیف ہیں:

مثلاً: ایک حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی اور اس کے بعد وضو نہیں فرمایا
اس سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں کہ قنص وضو نہیں ہے لیکن یہ استدلال ضعیف
ہے کیوں کہ روایت سے تو اتنا ثابت ہوتا ہے کہ قنص وضو کو واجب نہیں کرتی اور اس
میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اختلاف تو اس کے ناقص وضو ہونے کے بارے میں ہے اور حدیث
میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جاتی جس سے معلوم ہو کہ وضو نہیں ٹوٹتا۔

مثلاً: قرآن پاک کی آیت کریمہ **حُوتٌ عَلَیْکُمْ ۝ لَیْسَ بِہِ** سے بعض شوافع
نے استدلال کیا ہے کہ پانی میں کھنچی گر جائے تو خراب ہو جاتا ہے لیکن یہ استدلال کمزور ہے
کیونکہ بعض قرآنی سے مردار کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس مسئلے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے
اختلاف تو پانی کے خراب ہونے کے بارے میں ہے اور وہ اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔

مثلاً: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے فرمایا اس
(خون) کو کھڑچو پھر رگڑو اس کے بعد اس کو پانی سے دھوؤ اس حدیث سے بعض لوگوں نے
استدلال کیا کہ ہر کہ نہاست کو زائل نہیں کرتا لیکن یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ حدیث پاک
سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جب خون اپنے محل پر موجود ہو تو اس کو پانی سے دھونا
واجب ہے اور یہ مسئلہ اختلافی نہیں ہے اختلاف تو اس بارے میں ہے کہ خون کے دور
ہونے کے بعد وہ جگہ ہر کے سے پاک ہوتی ہے یا نہیں۔

مثلاً: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چالیس بکریوں میں ایک بکری زکوٰۃ ہے اس

سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ کلوۃ میں قیمت کا دینا جائز نہیں ہے لیکن یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ یہ بات حدیث سے ثابت نہیں ہوتی حدیث سے تو اثبات ثابت ہوتا ہے کہ پالیس بکریوں پر ایک بکری واجب ہوگی اور یہ مسئلہ مختلف فیہ نہیں ہے یہ بات کہ قیمت دینے سے ادائیگی ہو سکتی ہے یا نہیں اس کا حدیث میں تو تذکرہ نہیں ہے۔
 ع: قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے **وَأَمَّا الْاُخْبَرُ وَالْمَعْدَةُ لِلَّهِ** (رجلہ و عروہ)
 کو اللہ کے لیے پورا کر دو، اس سے بعض لوگوں نے استدلال کیا کہ عمرہ ابتداء واجب ہوتا ہے یعنی جس طرح حج فرض ہے عمرہ بھی فرض ہے لیکن ان کا یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ قرآنی نص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسے پورا کرنا واجب ہے اور پورا تب کیا جاتا ہے جب شروع کیا جائے اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ شروع کرنے کے بعد اس کو پورا کرنا ضروری ہے اختلاف تو اس بارے میں ہے کہ شروع سے فرض ہے یا نہیں اور شروع سے اس کی فرضیت اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی۔

۴: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گدائی ہے کہ ایک درہم کو دو درہموں کے ہونے میں اور ایک صاع کو دو صاع کے ہونے میں جو اس سے شواہخ نے استدلال کیا کہ بیع فاسد بلک کا فائدہ نہیں دیتی لیکن ان کا یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ اس حدیث سے تو صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بیع فاسد حرام ہے اور یہ مسئلہ متفق علیہ ہے جہاں تک بیع فاسد سے بلک کے ثابت ہونے یا نہ ہونے کا تعلق ہے وہ اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتی۔

۵: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **"سَلُوا اَنْ دُنُوْا (عیدین اور یام تشریق) میں روزے نہ رکھو کیونکہ یہ کھانے پینے اور جماع کے دن ہیں اس سے شواہخ نے استدلال کیا کہ قربانی کے دن روزہ رکھنے کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے** یہ ضعیف استدلال ہے کیونکہ حدیث شریف سے تو فعل کا حرام ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اختلاف تو اس بارے میں ہے کہ آیا احرام ہونے کے باوجود اس پر احکام مرتب ہوں گے یا نہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ

فعل کا حرام ہونا اسلام کے ترتیب کے خلاف نہیں ہے مثلاً اگر باپ اپنے بیٹے کی لونڈی کو اقم در
بنائے تو یہ کام حرام ہے لیکن باپ کے لیے ایک ثابت ہو جائے گی اور اگر کسی نے منصوبہ چھری کے
ساتھ بکری کو زخم کیا تو یہ عمل حرام ہے لیکن ذبیحہ حلال ہو گا اور اگر کوئی شخص غضب کے ہرے
پانی کے ساتھ ناپاک کپڑا دھوئے تو اگرچہ یہ کام حرام ہے لیکن کپڑا پاک ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص
اپنی بیوی سے حالت حیض میں جلد کے تواس کا یہ فعل حرام ہے لیکن اس کے باوجود اس کا حصن
ہونا ثابت ہو جائے گا اور عورت کے لیے پہلے خاندان سے نکاح کن ناجائز ہو جائے گا۔

با معنی حروف

سوال نمبر ۸: وہ کون کون سے با معنی حروف ہیں جن سے صاحب کتاب نے بحث کی ہے؟
جواب: وہ گیارہ حروف ہیں، واؤ، فا، ثم، بل، لکن، اؤ، سخی، ال، علی، فی اور بلا۔
سوال نمبر ۹: واؤ کس لیے آتی ہے اس سلسلے میں امام شافعی رحمۃ اللہ کا کیا اختلاف
ہے کوئی مثال بھی پیش کریں؟

جواب: ہمارے نزدیک واؤ مطلق جمع کے لیے آتی ہے جب کہ امام شافعی اُسے ترتیب کے لیے
قرار دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اُن کے نزدیک وضو میں ترتیب فرض ہے۔ ہمارے علماء فرماتے
ہیں اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا "اِنَّ كَلَّتْ ذَيْدًا اَدَعُوْا فَا كَلَّتْ
طَالِقٌ" تو اس صحت میں اس نے پہلے مرد سے پھر ذید سے گھٹو کی تو بھی طلاق واقع ہو جائے گی
اسی طرح اگر اُس نے کہا "اِنَّ دَخَلْتَ هَذِهِ السَّارَ وَهَذِهِ الدَّارَ فَانْتَ طَالِقٌ اَبَدٌ"
عورت دوسرے گھر میں پہلے اور پہلے گھر میں بعد داخل ہوئی تو بھی طلاق ہو جائے گی۔

امام محمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا "اِنَّ دَخَلْتَ السَّارَ
فَاَنْتِ طَالِقٌ" تو اسی وقت طلاق ہو جائے گی معلوم ہوا کہ واؤ ترتیب کو نہیں چاہتی کیونکہ اگر یہ
ترتیب کو چاہتی تو طلاق دخول پر مرتب ہوتی اور اس صحت میں اس کا قول تعلیق بن جاتا یعنی طلاق

مگر میں داخل ہونے کے ساتھ معلق ہوتی۔ اسی وقت واقعہ ہوتی۔

سوال نمبر ۱۱۰: کیا واؤ کسی اور معنی کے لیے بھی آتی ہے؟

جواب: کبھی واؤ (عاطفہ) حال کے لیے بھی آتی ہے حال اور ذوالحال کو جمع کرتی ہے اور شرط کا معنی پیدا ہوتا ہے اس کی مثال امام محمد رحمہ اللہ کا مآذون کے بارے میں یہ قول ہے کہ جب اس نے اپنے غلام سے کہا: "إِذَا لَيْتَ أَلْفًا وَ أَنْتَ حُرٌّ" تو اس وقت ادائیگی آزادی کے لیے شرط قرار پائے گی۔ عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ ایک ہزار روپیہ ادا کرے گا کہ تو آزاد ہو جائے۔ اسی طرح امام محمد نے سینئر کسیر میں فرمایا جب امام نے کفیل سے کہا: "وَ أَنْتَ أَمِينٌ" تو اس کے لیے دروازہ کھول دیا کہ شرط ہوگا اور اس کے غیر اس حاصل نہیں ہوگا۔ یونہی اگر عربی سے کہا: "إِنْزِلْ وَ أَنْتَ أَمِينٌ" تو جب تک وہ نہیں اترے گا اس کا مستحق نہیں ہوگا۔ "تخوف نہیں ہوگا۔"

سوال نمبر ۱۱۱: واؤ کو حل پر عمل کرنے کے لیے کوئی شرط ہے یا نہیں؟

جواب: چونکہ واؤ کو حل کے معنی میں بطور مجاز یا جاتا ہے لہذا دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے۔
۱۔ لفظ میں اس معنی کا احتمال ہو۔

۲۔ اس کے ثبوت پر کوئی دلالت بھی پائی جاتی ہو جیسا کہ مالک نے اپنے غلام سے کہا: "إِذَا لَيْتَ أَلْفًا وَ أَنْتَ حُرٌّ" تو اس صورت میں وہ ایک ہزار روپیہ ادا کرے وقت آزاد قرار پائے گا مقصد یہ ہے کہ چونکہ تو آزاد ہے لہذا ایک ہزار روپیہ لو کہ یہاں مجازی معنی مراد لینے کی دلیل یہ ہے کہ فلامی کی حالت میں مالک اس سے ایک ہزار روپیہ کا مطالبہ نہیں کر سکتا کیونکہ اس وقت وہ کسی چیز کا مالک ہی نہیں لہذا یہاں واؤ جمع کے معنی میں نہیں آئے گی بلکہ حال کا معنی مراد ہوگا اور اسے تعلیق پر عمل کیا جائے گا۔

سوال نمبر ۱۱۲: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: "أَنْتِ حَالِقٌ" وَ أَنْتِ مَرْصُوقَةٌ" اَوْ مَصْلِيَّةٌ" تو اس صورت میں واؤ کس معنی میں آئے گی؟

۱۔ مَصْلِيَّةٌ

جواب : ظاہری حالات کا تقاضا ہے کہ عورت بیماری کی حالت میں مہربانی کی زیادہ مستحق ہو
 ہے اس لیے طلاق بیماری سے مشروط نہیں ہوگی بلکہ اسی وقت نافذ ہو جائے گی اور "وَأَمْسَتْ
 مَوْرِيضَةً" کے الفاظ لغو قرار پائیں گے۔ لہذا واؤ یہاں عطف کے لیے بھی نہیں ہوگی اور حال
 کا معنی ایسی نہیں دے گی البتہ اگر اُس نے تعلیق کی نیت کی تو عند لغو صحیح قرار پائے گی دقاضی کے
 ہاں درست نہ ہوگی کیونکہ واؤ اگرچہ حال کا احتمال رکھتی ہے لیکن ظاہری حالت یعنی عورت
 کا بیمار ہونا یا فاری ہونا اس کے خلاف ہے کیونکہ یہ دونوں کام طلاق کا باعث نہیں بن سکتے
 لیکن چونکہ اُس نے تعلیق کی نیت کی ہے لہذا معنی حال کا احتمال اس نیت کے ساتھ
 ثابت ہو جائے گا۔

ایک دوسری مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا "مُتَذْهِبَةً أَلْفَتْ مَضَارِبَةً كَأَعْمَلٍ
 بِهَا فِي الْبَسْوَةِ" تو اس صورت میں واؤ حال کا معنی نہیں دے گی اور مضاربہ عام ہوگی کیونکہ
 "كَأَعْمَلٍ بِهَا فِي الْبَسْوَةِ" حال بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں
 کے درمیان مقارنت نہیں اور عمل، ہزار روپیہ لینے سے متاخر ہے۔
 یہی وجہ ہے کہ اگر عورت نے اپنے خاوند سے کہا "خَلَقْتَنِي وَأَلْفَتْ" اور
 خاوند نے طلاق دے دی تو اس صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی اور "وَأَلْفَتْ" کے
 الفاظ لغو قرار پائیں گے کیونکہ لفظ "خَلَقْتَنِي" بذات خود مفید ہے لہذا بلا دلیل اس پر
 عمل کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

سوال نمبر ۱۳۱: خاوند کس معنی میں آتا ہے؟
 جواب : لفظ خاوند تعقیب مع الوصل کے لیے آتا ہے اور کبھی بیان علت کے لیے بھی
 آتا ہے۔

سوال نمبر ۱۳۲: تعقیب مع الوصل کی وضاحت کریں اور اس سلسلے میں کچھ مثالیں
 پیش کریں؟

جواب : تعقیب مع الوصل کا مطلب یہ ہے کہ معطوف طبع کے بعد معطوف پایا جائے گا اور دونوں کے درمیان اتصال بھی ہو گا یہی وجہ ہے کہ شرط کی جزاء میں لفظ فاء لایا جاتا ہے کیونکہ جزاء شرط کے بعد آتی ہے۔ اس کی مثال جیسے کسی شخص نے کہا ”بعت مملک هذه القیدی یا لعن اور دوسرے نے کہا ”فہو حوسو“ تو یہ بات بیع کو قبول کرنے ہے اور یہ قبولیت اقتضاء المنق سے ثابت ہوتی ہے اور بیع کے بعد غلام کی آزادی بھی ثابت ہو جائے گی کیونکہ بیع کا ذکر پہلے اور آزادی کا ذکر لفظ فاء کے بعد ہے اور اگر وہ شخص ”حوسو“ یا ”حوسو“ کہتا ہے تو یہ بات بیع کو رد کرنا قرار پاتی۔ اسی طرح جب کسی نے درزی سے کہا ”انظر الی هذه الثوب الکیفی قبیصا درزی نے دیکھ کر کہا ”فقد“ پھر کپڑے دے دئے کہ ”فنا طعنة“ اب درزی نے کپڑا کاٹ دیا لیکن دیکھا کہ پورا نہیں تو وہ خود خاص ہو گا کیونکہ مالک نے کاٹنے کا حکم کفایت کے بعد دیا ہے لہذا کپڑے دے دئے کا یہ حکم درزی کے اطمینان کی بنیاد پر تھا۔

واضح الفاظ میں مطلب یہ بنے گا کہ چونکہ ”تو“ کپڑے کو کافی سمجھا ہے پس کاٹ دے اگر وہ لفظ فاء استعمال نہ کرتا یا داؤ استعمال کرتا تو اس صورت میں درزی خود تر و تار نہ ہوتا کیونکہ اب یہ حکم درزی کی طرف سے کفایت کے اظہار پر مبنی نہیں۔ اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا میں نے تجھ پر یہ کپڑا دس درہم سے بیچا پس اسے کاٹ دے اس دوسرے آدمی نے کچھ کہے بغیر کپڑا کاٹ دیا تو بیع مکمل ہو جائے گی کیونکہ یہاں کاٹنے کا حکم بیع کی قبولیت پر مرتب ہوتا ہے لہذا اس کا کاٹنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے سودا قبول کر لیا۔

اور اگر شخص نے اپنی بیوی سے کہا ”ان قد حلت هذه المقداری فہذا“ القداری فانی تو اس صورت میں طلاق کے لیے شرط ہے کہ دوسرے گھر میں بہر میں داخل ہو اور تاخیر بھی نہ ہو کیونکہ فاء کا یہ تعاضل ہے کہ اس کے مابین اور ما بعد میں ترتیب اور اتصال دونوں پائے جائیں یہی وجہ ہے کہ اگر وہ دوسرے گھر میں پہلے داخل ہوئی اور پہلے گھر میں بعد میں

داخل ہونے یا دخول میں ترتیب تو تھی لیکن درمیان میں کچھ مدت گزر گئی تو طلاق واقع نہیں ہوئی
سو انجس ۱۵: کیا حرف فارسی اور معنی کے لیے بھی آتا ہے؟

جواب: کبھی حرف فارسی بیان علت کے لیے آتا ہے یعنی اس کا مابعد ماقبل کے لیے علت
ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب کسی آدمی نے اپنے غلام سے کہا اَبْرَ اِيَّيْ آ نَعْمَا
فَاَنْتَ حَسْبُكَ تُو غلام اسی وقت آزاد ہو جائے گا اگرچہ وہ کچھ بھی ادا نہ کرے کیونکہ یہاں فارسی
کا بعد اس کے ماقبل کے لیے علت ہو گا گویا وہ کہہ رہا ہے کہ چونکہ میں نے تمہیں آزاد کر دیا ہے
لہذا ہزار روپیہ ادا کرو بنا بریں وہ اسی وقت آزاد ہو جائے گا اور اس آزاد ہونے کے بدلے
ایک ہزار روپیہ دینا چاہیے گا جو اس کے فتنے دین ہو گا اور اگر کسی مسلمان نے عربی سے
کہا ”اِنْزِلْ فَاَنْتَ اَمِنْ“ تو اگرچہ وہ اُسے اسے حاصل ہو گا مطلب یہ
ہو گا کہ چونکہ تمہیں امن دے دیا گیا لہذا اتنا اب چاہے وہ اتنے یا نہ امن حاصل ہو جائے گا
کیونکہ علت پائی گئی یعنی امن دینا جامع مغیر میں ہے کسی شخص نے اپنے وکیل سے کہا
”اَمْرٌ اَتِي بِبَيْدِكَ فَطَلِّقْهَا اب اس وکیل نے مجلس میں طلاق دے دی تو ایک
بائٹہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ اور دوسری بات یعنی فُطِّلَتْهَا پہلی طلاق کے علاوہ کے لیے
وکالت نہیں ہوگی۔ پس یہ ایسے ہو گا کہ گویا کہ اُس نے کہا اس سبب سے کہ اس کا معاملہ تیر
ہاتھ میں ہے تو اسے طلاق دے دے۔ اے طلاق مصدر

اور اگر اس نے کہا ”طَلَّقَهَا فَجَعَلْتُ اَمْرَهَا بِبَيْدِكَ“ اب مجلس میں طلاق
دے دی تو ایک رجعی طلاق واقع ہوگی کیونکہ اس نے ”طَلَّقَهَا“ کہہ کر طلاق صریح کا اختیار
دیا اور ”فَجَعَلْتُ اَمْرَهَا بِبَيْدِكَ“ اسی اختیار کا بیان اور علت ہے اور اگر اس نے
کہا ”طَلَّقَهَا فَجَعَلْتُ اَمْرَهَا بِبَيْدِكَ“ اس صورت میں طلاق دینے سے ”طلاق
واقع ہوں گی ایک رجعی اور دوسری بائٹہ۔ یعنی ”طَلَّقَهَا“ سے ایک رجعی اور ”فَجَعَلْتُ
اَمْرَهَا بِبَيْدِكَ“ سے دوسری یعنی بائٹہ طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر کہا طَلَّقَهَا وَابْتَنَاهَا

یا کہا اِنْجَاهًا وَطَلَقَهَا اب مجلس میں طلاق دے، ی تو دو طلاقیں واقع ہوں گی۔ کیونکہ وہ مستقل اختیار ہیں ایک طلاق رجعی کا اور دوسرا طلاق بائنہ کا۔

سوال نمبر ۱۱۶: حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا کی روشنی میں مشکوٰۃ لونیڈی کے آزاد ہونے سے اسے اختیار کیسے ثابت ہوگا؟

جواب: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مکاتبہ لونیڈی تھیں جب انہیں آزاد کیا گیا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَمْلَکْتُ بَصْعَتَ فَاخْتَارَ عَمَّی چونکہ حرفِ فام یہاں بیانِ ملت کے لیے ہے لہذا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ تو آزادی کے سبب اپنی بضع کی مالک ہو چکی ہے لہذا تجھے اختیار ہے نکاح میں رہے یا نسخ کر دے اس معلوم ہوا کہ جب لونیڈی آزاد کر دی جلتے تو اسے اپنا نکاح باقی رکھنے یا توڑنے کا اختیار ہے خاوند کا اعتبار نہیں ہوگا کہ وہ آزاد ہے یا غلام۔

سوال نمبر ۱۱۷: حدیث بریرہ میں حرفِ فام بیانِ ملت کے لیے اس سے یہ مسئلہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ طلاق کا اعتبار عورت کی حالت سے ہوتا ہے مرد سے نہیں؟

جواب: چونکہ مشکوٰۃ عورت کی بضع مرد کی ملکیت ہوتی ہے اور وہ اس کے آزاد کرنے سے رائل نہیں ہوتی بلکہ اس میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ پہلے وہ دو طلاقیں سے غلیلہ ہو جاتی ہے اب خاوند کو تین طلاقیں کا اختیار حاصل ہو گیا لہذا اس کی ملک بڑھ گئی لیکن چونکہ اس عورت میں عورت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے لہذا اسے اختیار دیا گیا کہ نکاح کو برقرار رکھے یا توڑے۔ معلوم ہوا کہ خاوند کو تین طلاقیں کی ملکیت عودت کے آزاد ہونے سے حاصل ہوئی۔ اگر وہ لونیڈی رہتی تو صرف دو طلاقیں کا مالک ہوتا اس سے واضح ہوا کہ طلاقیں کی تعداد عورت کی حالت پر موقوف ہے خاوند کے غلام یا آزاد ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔

احناف کا یہی مسلک ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک خاوند آزاد ہو تو تین طلاقیں کا مالک ہوگا اور غلام ہو تو دو کا، عورت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

سوال نمبر ۱۸: حرف "ثم" کس معنی کے لیے آتا ہے اور اس سلسلے میں تین جہتی ہر کے درمیان کیا اختلاف ہے؟

جواب: "ثم" تراخی کے لیے آتا ہے معنی معطوف اور معطوف علیہ میں کچھ وقفہ ہوتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تراخی لفظ اور حکم دونوں میں ہوتی ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک تراخی صرف حکم میں ہوتی ہے۔

سوال نمبر ۱۹: کسی مثال کے ذریعے اس مسئلے کی وضاحت کریں؟

جواب: اس ضمن میں صاحب کتاب نے طلاق کی مثال دی اور اس کی چار صورتیں بتی ہیں اگر کسی شخص نے اپنی غیر مدخولہ بیوی سے کہا "إِنْ دَخَلْتُ الدَّارَ فَأَنْتَ طَالِقٌ شَوْ طَالِقٌ شَوْ طَالِقٌ" تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک چونکہ الفاظ میں بھی تراخی ہوگئی ہے لہذا دوسرے "ثم طالق" کے مستقل ہونے کی وجہ سے اس کا تعلق ان دخلت الدار سے نہیں ہوگا اور یہ طلاق دخول دوسرے مشروطہ ہونے کی وجہ سے اسی وقت واقع ہو جائے گی اور چونکہ غیر مدخولہ عورت ایک طلاق سے ہی جدا ہو جاتی ہے لہذا تیسری طلاق بغور قرار پائے گی جب کہ صاحبین کے نزدیک "ثم" صرف حکم میں تراخی کا فائدہ دیتا ہے لہذا تینوں طلاقیں گھریں داخلے سے مشروط ہوں گی اور جب وہ داخل ہوگی تو پہلی طلاق واقع ہو جائے گی اور دوسری دو لغو قرار پائیں گی۔

اور اگر ان دخلت الدار کے الفاظ آخر میں استعمال کیے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی طلاق اسی وقت واقع ہو جائے گی اور دوسری دو لغو قرار پائیں گی جب کہ صاحبین کے نزدیک دخول دار کی صورت میں ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور دو لغو ہوں گی۔

اور اگر یہی الفاظ دخول بہا بیوی سے کہے اور دخول دار کی شرط شروع میں استعمال کی تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک پہلی طلاق دخول دار سے معلق ہوگی اور دوسری دو اسی

وقت واقع ہو جائیں گی کیونکہ ان کا شرط سے کوئی تعلق نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک تینوں
 طلاقیں دخول دار سے معلق ہیں لہذا اگر میں داخل ہونے کی صورت میں تینوں واقع ہو جائیں
 گی چاہے دخول دار کی شرط آخر میں ہو یا پہلے۔ جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک
 دوسری صورت میں دو طلاقیں فی الحال واقع ہو جائیں گی اور تیسری دخول دار سے معلق ہوگی
 سوال نمبر ۲۰: حرف بل کس معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے؛ مثال کے ساتھ وضاحت کریں
 جواب: حرف بل غلطی کے تدارک کے لیے آتا ہے یعنی جب شکم سے کلام میں غلطی واقع
 ہو جائے تو وہ حرف ”بل“ ناکر اس کے بعد والے کلام کو پہلے والے کلام کی جگہ رکھتے ہوئے
 غلطی کا ازالہ کرتا ہے مثلاً کسی شخص نے کہا ”لَعَلَّيْنِ عَلَيَّ اَلْفُ لَا بَلَّ اَلْفَا نِ
 تو اس صورت میں اس پر دو ہزار لازم ہوں گے کیونکہ لفظ بل کی حقیقت یہ ہے کہ وہ غلطی کے
 تدارک کے لیے اس طرح آتا ہے کہ ثانی کو اول کے قائم مقام رکھا جاتا ہے کیونکہ یہاں اس
 نے لفظ بل کے ذریعے ایک ہزار کو غلط قرار دے کر دو ہزار کا اقرار کیا لہذا اس پر دو ہزار لازم
 ہوں گے۔ البتہ اشاعتی ضرور ہے کہ چونکہ دو ہزار میں ایک ہزار شامل ہوتے ہیں لہذا ایک ہزار
 کے قول کو باطل قرار نہیں دیں گے بلکہ دوسرے ہزار میں سے ایک ہزار پہلے ایک ہزار کے
 ساتھ ملا کر دو ہزار مکمل کریں گے۔

سوال نمبر ۲۱: جب کوئی شخص اپنی غیر مدخولہ بیوی سے کہتا ہے ”اَنْتِ طَلِيقٌ
 وَاحِدَةٌ بَلَّ شَيْئَيْنِ“ تو کیا وجہ ہے کہ یہاں دو کی بجائے ایک طلاق واقع ہو رہی ہے؟
 جواب: چونکہ اس کا یہ کلام انشاء ہے خبر نہیں ہے لہذا تکلم کے بعد اسے باطل کرنا ممکن
 نہیں پس ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور بل شئیین کہتے وقت وہ طلاق کا مکمل ہی نہیں
 رہے گی بلکہ یہ کلام لغو ہو جائے گا۔ اور اگر وہ عورت مدخولہ ہو تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں
 گی کیونکہ ابھی تک عورت دوسری طلاقوں کا مکمل ہے لہذا رجوع صحیح نہیں ہو گا اور پہلی
 ایک طلاق کے ساتھ دوسری دو طلاقیں مل کر تین واقع ہو جائیں گی۔

سوال نمبر ۱۲۲: کیا وجہ ہے کہ غیر مطلقہ عورت کو کفر کا طلاق بک شتین
 کہنے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے جب کہ یَعْلَانِ عَلٰی اَلْفٍ لَا بَدَّ
 اَلْفَانِ کہنے سے دو ہزار لازم آتے ہیں؟

جواب: طلاق والی صورت میں انشاء ہے جب کہ اقرار خبر دینے پر مبنی ہے اور غلطی انہماک
 ہوتی ہے انشاء میں نہیں لہذا اقرار میں لفظ بل کے ساتھ غلطی کا تدارک ہو سکتا ہے طلاق
 میں نہیں ہاں اگر طلاق بھی خبر کے طور پر ہو تو وہاں تدارک ہو گا مثلاً یہ کہ ”کُنْتُ مَلَكُوتِ
 أَحْسَنٍ وَأَحْسَنَ لَوْ بَلَ شَتَيْنِ“ تو اب دو طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

سوال نمبر ۱۲۳: حرف مکن کس متھ کے لیے آتا ہے اور کیا یہ ہمیشہ عطف کے لیے آتا
 ہے یا نہیں؟

جواب: حرف مکن نفی کے بعد استہراک کے لیے آتا ہے یعنی پہلے کلام سے جو دم پیدا ہوتا
 ہے اُسے دور کرنے کے لیے اسے استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا مابعد ثابت
 ہو جاتا ہے لیکن ماقبل کی نفی اپنی دلیل کے ساتھ ثابت ہوتی ہے مثلاً قرآن پاک میں ہے
 مَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْهِرَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِيْ مِنْ دُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ
 مکن سے پہلے کلام سے اس بات کا شبہ پیدا ہوتا ہے کہ غیب کی نفی انبیاء کرام اور غیر انبیاء
 سب کو شامل ہو لہذا لفظ مکن کے ذریعے اس شبہ کو دور کر کے منتخب رسولوں کے لیے علم غیب
 ثابت کیا گیا سوال کی دوسری جز کا جواب یہ ہے کہ مکن ہمیشہ عطف کے لیے نہیں آتا اگر کلام
 میں اتصال ہو اور اس کے ماقبل اور مابعد کے درمیان تضاد بھی نہ ہو تو یہ عطف کے لیے آئے
 گا ورنہ مستأنف ہو گا۔

اس کی مثال جامع کبیر میں امام محمد کا یہ قول ہے جب کسی شخص نے کہا ”يَعْلَانِ
 عَلٰی اَلْفٍ قَرْنٌ“ تو دوسرے نے کہا ”لَا ذَلِكُنَّ عَصَبٌ“ تو چونکہ یہاں کلام
 میں اتصال ہے لہذا اس پر ایک ہزار لازم ہو جائیں گے اور نفی کا تعلق سبب کے ساتھ ہو گا

نفس مال کے ساتھ نہیں۔ گویا وہ قرض کی نفی کر رہا ہے اور ایک ہزار بطور عصب ثابت کرتا ہے اسی طرح ایک دوسری مثال ہے کہ کسی شخص نے کہا ”لَعَلَّيْ عَلَى الْفَتْحِ مِنْ هَذِهِ الْجَارِيَةِ“ تو اس غلام نے کہا ”لَا الْجَارِيَةَ جَارِيَتِكَ وَلَكِنْ بَنِي عَلَىكَ الْفَتْحِ“ تو اس میں بھی سبب کی نفی ہوگی اصل مال کی نفی نہیں ہوگی اور اس پر ایک ہزار لازم ہو جائیں گے۔

سوال نمبر ۱۲۴: کوئی ایسی مثال پیش کریں جس میں حرف لکن عطف کے لیے نہ آتا ہو؟
جواب: جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ اگر کلام میں اتصال ہو تو حرف لکن عطف کے لیے آتا ہے مدہ نہیں۔ مثلاً ایک شخص کے قبضے میں غلام ہو اور مدہ کے صند ابفلاں اس کے جواب میں وہ غلام (مقولہ) کہتا ہے ”مَا كَانَ لِي قَطُّ لَكَتُ لِعَلَّانِ احْسَرُ“ تو اس صورت میں اگر کلام متصل ہو تو یہ غلام اس دوسرے مقولہ کا ہو گا کیونکہ اس نے لکن کے ذریعے اپنے آپ سے نفی کر کے دوسرے آدمی کے لیے ثابت کیا اور اگر کلام میں اتصال نہ ہو تو غلام اس آدمی کا ہو گا جس نے سب سے پہلے اقرار کیا ہے۔ یعنی جس کے قبضے میں ہے اور جس شخص نے ”مَا كَانَ لِي قَطُّ“ کہا ہے اس کا یہ قول پہلے شخص کی بات کا رد قرار پائے گا۔

سوال نمبر ۱۲۵: کوئی ایسی مثال پیش کریں جس میں لفظ ”لکن“ استیفاء کے لیے آتا ہو اور عطف کے لیے محض اس لیے نہ آئے کہ اس کے ماقبل اور مابعد میں تضاد ہے؟
جواب: اگر کسی لونڈی نے مالک کی اجازت کے بغیر خود اپنا نکاح کر لیا اور ایک سو درہم ہر مقبول کیا، مالک کو معلوم ہوا تو اس نے کہا ”لَا أُجِيزُ الْعَقْدَ بِمِائَةِ دَرَاهِمٍ وَلَكِنْ أُجِيزُهُ بِمِائَةِ دَحْسِينَ“ اس صورت میں ”لکن“ عطف کے لیے نہیں ہو گا کیونکہ یہاں اس نے نکاح کو رد کر دیا پھر اس کی اجازت دے رہا ہے لہذا تضاد کی وجہ سے نکاح باطل ہو جائے گا اور ”لکن“ کے بعد والا کلام پہلے پر معطوف نہ ہو گا۔

اسی طرح اگر وہ کہے "فلان اجیزہ ان زدتنی خمین علی المائۃ تو یہ بھی نسخ نکاح ہو گا کیونکہ جب اس نے "لا اجیزہ" کہہ کر نکاح کو تسلیم کیا تو اب یہ کلام الہی کا احتمال بھی نہیں رہتا۔

سوال نمبر ۱۲۶: لفظ "او" کتنے اور کن معنوں کے لیے آتا ہے؟

جواب: لفظ "او" دو مذکورہ چیزوں میں سے ایک کی شمولیت کے لیے آتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص کے "ہذا حُرٌّ اَوْ هَذَا" تو یہ ایسے ہی ہو گا جیسے اس نے کہا "اَحْذِ هَذَا حُرٌّ" یہی وجہ ہے کہ اسے بیان کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ یعنی وہ ان میں سے کسی ایک کو تعیین کر سکتا ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنے غلام کی فروخت کے لیے دو آدمیوں کو وکیل بناتے ہوئے کہا "وَكَلَّيْتُ بِبَيْعِ هَذِهِ الْمُجْبُوعِ هَذَا اَوْ هَذَا" تو ان میں سے ہر ایک کے لیے اس غلام کو بیچنا جائز ہو گا۔ پھر اگر ان میں سے ایک نے اسے بیچ دیا اس کے بعد غلام، مؤکل کی ملک میں لوٹ آیا تو دوسرے وکیل کو اب بیچنے کا اختیار نہیں رہے گا کیونکہ پہلی بار بیچنے سے وکالت ختم ہو گئی۔

سوال نمبر ۱۲۷: کوئی ایسی مثال بتائیں جس میں ایک بار حرف "او" اور دوسری بار نہ حرف واؤ عطف کے لیے آئے، نیز اس صورت میں ان دونوں کے عمل کی وضاحت کریں؟

جواب: ہاں اگر کسی شخص کی تین بیویاں ہوں اور وہ کہے "هَذِهِ طَارِقٌ اَوْ هَذِهِ دَهْنٌ" تو اس صورت میں تیسری غوربت تو اسی وقت مطلق ہو جائے گی لیکن پہلی رو میں سے کسی ایک کا تعین خاندان کے ذمہ ہو گا گویا وہ یہ کہہ رہا ہے "اَحْذِ كَمَا طَارِقٌ دَهْنٌ" تم دونوں میں سے ایک اور اس یعنی تیسری کو طلاق سے۔

سوال نمبر ۱۲۸: اس مسئلہ طلاق کی طرح کلام کرنے کے بارے میں کسی شخص کی قسم کے ضمن میں ائمہ ثلاثہ اور امام زفریہ جمہ ائمہ کے درمیان کیا اختلاف ہے؟

جواب: اس مسئلے کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا "لَا اَكْلُوْهُ هَذَا اَوْ هَذَا" ایک شخص نے کہا "لا اکلہ" اور امام زفریہ جمہ ائمہ

اَوْ هَذَا " امام زفر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ طلاق کی طرح یہاں بھی عبارت یہ بنے گی کہ میں ان دونوں میں سے ایک اور اس تیسرے سے کلام نہیں کروں گا گویا کہ پہلے دو میں سے ایک اور تیسرے کے ساتھ کلام کرنے کی صورت میں حائث ہو گا لیکن آخر تشہد کے نزدیک صرف پہلے سے کلام کرنے کی صورت میں بھی حائث ہو جائے گا اور اگر پہلے دو میں سے صرف ایک سے کلام کیا تو حائث نہیں ہو گا جب تک کہ دونوں سے کلام نہ کرے کیونکہ یہاں نفی کی صورت میں عبارت یہ بنے گی " لَوْ اَكَلْتُ هَذَا اَوْ لَا هَذَيْنِ " کیونکہ واحد جمع نے تیسرے کو دوسرے کے ساتھ جمع کر دیا لہذا دوسرے دو کی نفی مشترک ہو گئی جب کہ طلاق والی صورت میں نفی نہیں بلکہ اثبات ہے۔ اگر کوئی

سوال نمبر ۱۲۹: اگر کوئی شخص نکاح کرتے وقت ہر کے سلسلے میں کہے "حَلٰی هَذَا اَوْ عَلٰی هَذَا" تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ہر مثل واجب ہو گا آپ یہ بتائیں کہ لفظ اَوْ کے تقاضے کے مطابق ان دو میں سے ایک پر ہر واجب ہونا چاہیے تھا تو یہاں ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟

جواب: نکاح میں ہر مثل موجب اصل ہے اور اُسے اُس وقت چھوڑا جاتا ہے جب معتذر کیا جانے والا ہر قطعی طور پر معلوم ہو یاں چونکہ دو میں سے ایک کا اختیار دیا گیا ہے لہذا کسی ایک ہر کی قطعیت نہ ہونے کی وجہ سے ہر اصل واجب ہو جائے گا۔

سوال نمبر ۱۳۰: نماز میں تشہد فرض نہیں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "اِذَا قُلْتَ هَذَا اَوْ قُلْتَ هَذِهِ اَقَعَدَ قَمَّتْ صَلَاتُكَ" تو یہاں آپ نے نماز کے اتمام کو دو چیزوں میں سے ایک سے معلق کیا ہے یعنی یا تو کلمات تشہد پڑھے یا تشہد کی مقدار قعدہ کر لے دونوں پایا جانا ضروری نہیں اب چونکہ بالاتفاق قعدہ فرض قرار دے دیا گیا لہذا تشہد فرض نہیں ہو گا۔

سوال نمبر ۱۳۱: لفظ اَوْ نفی اور اثبات دونوں صورتوں میں ایک جیسا مل کر تا ہے یا نہیں؟
 جواب: دونوں صورتوں میں اس کا مل ایک جیسا نہیں ہوتا بلکہ نفی کی صورت میں دو ذکر
 میں سے ہر ایک کی نفی کرتا ہے مثلاً کسی شخص نے کہا "لَا أَكَلْتُ هَذَا أَوْ هَذَا" تو
 اب ان میں سے کسی ایک سے کلام کہے تو عانت ہو جائے گا۔ جب کہ اثبات کی صورت
 میں اس کا قول بطور اختیار دو میں سے ایک کو شامل ہوگا مثلاً کوئی کہے "هَذَا هَذَا
 أَوْ ذَلِكَ" اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے "فَلَمَّا رَسَتْهُ إِطْعَمَهُ فَمِنْهُمْ مَن يَكِينُ
 مِنْ أَوْسُطِ مَا تُنْقِضُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْفٍ تَهُشُّونَ مِنْهُ رُجُوبًا" تو یہاں تین
 چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جاسکتا ہے چاہے کھانا کھائے یا لباس پہنائے یا غلام
 آزاد کرے۔

سوال نمبر ۱۳۲: کیا لفظ اَوْ کسی اور معنی میں بھی آتا ہے مثال سے واضح کریں؟
 جواب: کسی لفظ اَوْ حتیٰ کے معنی میں آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لَيْسَ لَكَ
 مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ" اسی طرح ہمارے اللہ فرماتے ہیں اگر
 کوئی آدمی نے قسم کھائی اور کہا "وَأَدْخُلْ هَذَا الْقَرْيَةَ وَادْخُلْ عَلَيْهَا فَاصْطَلِمَ
 تَوَلَّى" اَوْ "حتیٰ" کے معنی ہوگا یہاں تک کہ وہ اگر پہلے گھر میں پہلے داخل ہوا تو
 عانت ہو جائے گا ورنہ اگر دوسرے گھر میں پہلے داخل ہوا تو قسم پوری ہو جائے گی اسی طرح
 اگر کوئی شخص کہتا ہے "لَا أَفَارِقُكَ أَوْ تَهْجُرْنِي وَتَبْرَأَ مِنِّي" تو یہاں اَوْ حتیٰ
 کے معنی میں ہوگا یعنی جب تک تو میرا قریبی ادا نہ کرے میں تجھ سے جدا نہیں ہوں گا۔

سوال نمبر ۱۳۳: لفظ حتیٰ کن کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے و مناصت سے کہیں؟
 جواب: لفظ حتیٰ اپنی اصل وضع کے اعتبار سے ال کی طرح قنبت کیجئے تا ہے لیکن اس
 کے لیے شرط یہ ہے کہ اس کا ماقبل استداد کی اور مابعد غایت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
 اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو ماقبل سبب اور مابعد جزاء قرار پائے گا اور اس کا مابعد

ماقبل کی جملہ دہن کے گاہ بعض عطف کے لیے آئے گا۔

سوال نمبر ۱۲۲: ان تمام صورتوں کی مثالیں پیش کریں؟

جواب: پہلی صورت یعنی جب مثنیٰ غایت کے لیے آئے تو اس کی مثال یہ ہے:

امام محمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں جب کسی شخص نے کہا:

”عبدی حران لہ ارضہ حتی یشفع فلان یا حتی تصیر

یا حتی تشتکی بین یدی یا حتی یدخل اللیل“

تو ان تمام صورتوں میں مثنیٰ کا قبل یعنی ملنا امتداد کو قبول کرتا ہے کیونکہ بار بار

لہنے سے امتداد پایا جائے گا اور مابعد کی تمام صورتیں اس مار کے اختتام کی صلاحیت

رکھتی ہیں یعنی کسی کی سفارش یا ملکہانے والے کی پیچ و پکار یا شکایت یا ریت کا وقت

داخل ہونے سے اس کو ملنا ختم کیا جاسکتا ہے لہذا یہاں مثنیٰ اپنے حقیقی معنی یعنی غایت

کے لیے آئے گا۔ بنابرین مگر وہ غایت سے پہلے مارنا پھوڑ دے تو عاثر ہوگا اور اس

کا غلام آزاد ہو جائے گا۔

اگر عرف امام یا نام کی وجہ سے حقیقت پر عمل نہ ہو سکے تو وہاں عرف کا

وضاحت | اعتبار کیا جائے گا مثلاً کوئی شخص کہتا ہے:

”اللہ اجرہ حتی یموت یا حتی اقتلہ تو چونکہ کسی کی موت تک اسے ملنا عرف

کے خلاف ہے لہذا یہاں سخت ملنا مراد ہوگا اور مثنیٰ اپنے حقیقی معنی پر محمول نہ ہوگا۔

دوسری صورت کی مثال یعنی جب مثنیٰ کا ماقبل سبب اور مابعد جزا دہنے جیسے ام محمول

نے لیا جب کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی سے کہا:

”عبدی حران لہ ارضہ حتی تغدینی“

چونکہ گناہ دینا نہ آنے کی غایت نہیں بن سکتا اس لیے کہ وہ تو بار بار آئے کا سبب

ہے لہذا یہاں مثنیٰ غایت کے لیے نہ ہوگا بلکہ یہ لام کی کے معنی میں ہوگا اور بار بار مثنیٰ ہوگی

انج لہ اٹک اثنا جائزۃ التقدیۃ یعنی اگر میں ایسا آتا نہ آؤں جس کی جواز
کھانا ہے تو میرا غلام آزاد ہے تو اب اس کا آنا کھانے کا سبب ہوگا لہذا اگر وہ آیا اور کھا
نہ کھایا تو غلام آزاد نہ ہوگا۔

سوال نمبر ۱۲۵: حتی عطف محض کے لیے کب آتا ہے مثال سے واضح کیجئے؟
جواب: اگر حتی کا مابعد ازل کی جواز بننے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو تو اسے عطف محض پر عمل
کیا جائے گا اس کی مثال امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان کی ہے کہ مثلاً ایک شخص نے کہا:
”فتیئذ ہی حر ان لہ اٹک حتی التقدی عندک الیوم“ تو یہاں حتی عطف محض
کے لیے آئے گا کیونکہ نہ آنا کھانا کھانے کے لیے شرط نہیں قرار پاتا اس لیے کہ کھانا تو آنے کی
صورت میں کھایا جاتا ہے یہاں دونوں فعل یعنی آنا اور کھانا کھانا ایک ہی ذات سے
مسوب ہیں اور اس صورت میں اس کا اپنا فعل اسی کے فعل کے لیے جزاء نہیں بنے گا بلکہ جز
آنا اور کھانا کھانا دونوں کا مجموعہ قسم کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہوگا لہذا اگر وہ آیا لیکن کھانا
نہیں کھایا تو حاشا ہو جائے گا۔

سوال نمبر ۱۲۶: لفظ الی کن کن مقاصد کے لیے آتا ہے؟
جواب: الی انتہایات کے لیے آتا ہے لیکن اس کی دو صورتیں ہیں: بعض اوقات
حکم کو آگے بڑھانے کے لیے آتا ہے اور بعض اوقات مابعد کو حکم سے ساقط کرنے کا
فائدہ دیتا ہے۔

سوال نمبر ۱۲۷: ان دونوں صورتوں میں کیا فرق ہے؟ نیز دونوں کی مثالیں بھی دیں؟
جواب: پہلی صورت میں غایہ منیا کے حکم میں داخل نہیں ہوگا لیکن دوسری صورت میں
داخل ہوگا۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا: ”اشتدیت هذا المكان
الی هذا الحائط“ یہاں حائط (دیوار) مع کے حکم میں داخل نہیں ہوگی۔ دوسری صورت
کی مثال کسی شخص نے کوئی چیز تین دن کے غیار شرط پر بھی تو یہاں تیسرا دن حکم میں داخل ہوگا

اسی طرح ایک مثال یہ ہے کہ کسی آدمی نے قسم کھائی "لواکلمہ فلافا" الی شہر۔
 تو اس صورت میں شہر یعنی مینہ حکم میں داخل ہوگا کیونکہ یہاں الی نے اسقاط کا فائدہ دیا
 اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے کہا میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا تو اس میں مینہ
 سے نائز مدت کا بھی احتمال تھا لیکن اس نے الی شہر کہہ کر مینہ کے مابعد کو ساقط
 کر دیا۔

سوال نمبر ۱۲۸: اسی بحث کے ضمن میں تینوں حضراتی امہ اور امام زفر کے درمیان ایک
 اختلافی مسئلہ مل گیا تھا ہے اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب: ہمارے نزدیک وضو کرتے وقت کہنیاں اور ٹخنے، ہاتھوں اور پاؤں کو دھونے کی
 فرضیت میں شامل ہیں لیکن امام زفر رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ دھونے کے حکم میں داخل نہیں ہماری
 دلیل یہ ہے کہ لفظ "ید" کا ماحول تک کو شامل ہے اور لفظ "رجل" تمام ٹانگ پر
 مشتمل ہے لہذا یہاں لفظ الی کہنیوں اور ٹخنوں سے اوپر لے جاتے تھے کہ دھونے کے حکم سے ساقط کرنے
 کے لیے آیا ہے کیونکہ اگر یہ ہوتا تو بازوؤں اور ٹانگوں کو بھی دھونا پڑتا جب کہ امام زفر رحمۃ اللہ
 کے نزدیک غایہ، منیا میں داخل نہ ہونے کی وجہ سے ان اعضاء کا دھونا فرض نہیں۔

گھٹنے کا ستر ہونا بھی اسی قائلے کے تحت ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 نے فرمایا "حورة الرجل ما تحت السرة الى الركبة" یہاں سرہ یعنی
 نافہ لکھا تھا پاؤں تک ہو سکتا ہے لہذا یہاں الی غایہ کے مابعد کو ساقط کرنے کے لیے آیا ہے
 جس کے نتیجے میں گھٹنے ستر میں داخل ہوں گے اور اس سے نیچے کا حصہ اس حکم سے ساقط ہوگا۔
 سوال نمبر ۱۳۹: کیا کلمہ الی کسی اور معنی کے لیے بھی آتا ہے؟

جواب: کسی کلمہ الی حکم کو غایہ تک مؤثر کرنے کے لیے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص
 اپنی بیوی سے کہے "انت طالق" الی شہر اور اس کی نیت کوئی نہ ہو تو ہمارے
 نزدیک اسی وقت طلاق واقع ہوگی بلکہ مہینہ گزرنے کے بعد واقع ہوگی۔ کیونکہ مینہ کا ذکر نہ تو

حکم کو اس کے بڑھانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور نہ ہی اسقاط کے لیے آتا ہے لہذا جب اس کا
 معنوں میں سے کوئی بھی معنی نہ پایا گیا اور مطلق میں تعلیق کے ساتھ تاخیر کا احتمال ہو رہا ہے تو
 اسے تاخیر پر محمول کیا جائے گا تاکہ کام بخیر ہو۔

سوال نمبر ۱۳: کلمہ علیٰ کن کن معانی کے لیے آتا ہے؟

جواب: کلمہ علیٰ کسی بات کو لازم کرنے کے لیے آتا ہے۔ بعض اوقات مجازاً بناء کے معنی میں
 آتا ہے اور کبھی شرط کے معنی میں آتا ہے۔

سوال نمبر ۱۴: ابن تیمیہ کی وضاحت کیجئے؟

جواب: چونکہ کلمہ علیٰ قوتیت اور بندی کا معنی دیتا ہے لہذا یہ کسی چیز کو دوسرے پر لازم کرنے
 کے لیے آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کہے ”لغلان علی الف“ تو اس سے
 دین (قرض) مراد ہو گا لیکن اگر وہ کہے ”لغلان عندی الف“ یا ”معی یا قبلی“
 کے الفاظ استعمال کرے تو اس سے دین مراد نہیں ہو گا۔

سوال نمبر ۱۵: کوئی ایسی مثال دیجیے جہاں لفظ علیٰ تفوق اور تعلیٰ کا معنی دیتا ہو؟

جواب: امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سیر کبیر میں فرماتے ہیں یہ رئیس ثعلونے مسلمان عاصم بن سے
 کہا ”ایمنونی علی عشرة من اهل الحصن“ اور مسلمانوں نے اسے امن دے
 دیا تو یہ دس اس کے علاوہ ہوں گے اور تعین کا اختیار بھی اسے ہی حاصل ہو گا۔ اس سے معلوم
 ہوا کہ اسے جو دس پر قوتیت حاصل ہوئی وہ علی عشرة کہنے کی وجہ سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
 اگر وہ ”ایمنونی وعشرة“ یا ”عشرة“ کہے اور انھیں امن
 دے دیا جائے تو اگرچہ یہاں بھی دس آدمی اس کے علاوہ ہوں گے لیکن ان دس کی تعین کا
 اختیار اسے نہیں ہو گا بلکہ امن دینے والے کو ہو گا کیونکہ اس صورت میں لفظ علی نہ ہونے کی
 وجہ سے اس کی قوتیت ثابت نہیں ہوتی۔

کبھی مجازاً بناء کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے اگر کسی آدمی نے

کہا "بعتت هذا على الف" تو یہاں جو کہ ہزار درہم (مثلاً) معاوضے کے طور پر مذکور ہوئے ہیں لہذا یہاں لفظ علی، باد کے معنی میں ہوگا اور یہ اس کا ہماری معنی ہوگا۔
 کبھی علی شرط کے معنی میں آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "يُبَايِعُكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكَنَّ يَآلِئَهُ شَيْئًا" یعنی وہ اس شرط پر آپ کی بیعت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی یہی وہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کسی صورت نے اپنے خداوند سے کہا "مَلَقْنِي ثَلَاثًا عَلَى الْفِ" تو یہاں علی شرط کے لیے ہے لہذا ہزار درہم لازم ہونے کے لیے تین طلاقیں دینا شرط ہے اگر ایک طلاق دے گا تو ہزار درہم لازم نہیں ہوگا۔

سوال نمبر ۱۴۳: کلمہ فی کس معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثال کے ساتھ وضاحت کیے؟
 جواب: کلمہ فی ظرف کے لیے آتا ہے اور اس سلسلے میں مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے کہا: غصبت ثوباً فی منہ یل یا غصبت ثوباً فی خصوصۃ خود دونوں صورتوں میں اس پر یہ تمام چیزیں لازم ہوا میں گی کیونکہ یہاں منطقی ظرفیت کے لیے ہے لہذا کلمہ کا پوری مثال سمیت اور کلموں کی پوری نوکری سمیت ہوئی ہے معنی ظرف اور مظلوف دونوں منصب ہونے لہذا دونوں کو ملنا لازم ہے۔

سوال نمبر ۱۴۴: لفظ فی کسی ایک ظرف سے مخصوص ہے یا دونوں ظرفوں کے لیے آتا ہے؟
 جواب: یہ کلمہ ظرف زمان اور مکان کے فعل میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ زمان میں اس کے استعمال کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا "انت طالق فی عند" یہاں ما جیسو اور امام صاحب کے درمیان ایک اختلاف ہے۔ ما جیسو فرماتے ہیں کہ اس صورت میں لفظ فی کو حذف کرنا یا ذکر کرنا دونوں برابر ہیں اور دونوں صورتوں میں فجر طلوع ہوتے ہی طلاق واقع ہو جائے گی جبکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حذف کی صورت میں طلوع فجر کے ساتھ ہی طلاق ہو جائے گی لیکن جب اسے ظاہر کیا جائے تو کل آنے والے دن کی کسی چیز میں

بطور ابہام طلاق واقع ہو سکتی ہے۔ اب دیکھا جائے گا اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو پہلی پہلی جہزہ میں طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس وقت کوئی رکاوٹ نہیں ہے اور اگر طلاق کے آخری حصے کی نیت کی تو یہ نیت بھی صحیح ہوگی۔

لفظ فی ذکر کرنے اور حذف کرنے کی صورتوں میں فرق کی ایک مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کہے "ان صحت شہداً فانست کذا" (یعنی مثلاً) اگر تو ایک ہیئت سے رکھے تو تجھے طلاق ہے تو یہاں ایک پورا مہینہ روزے رکھنے کی صورت میں طلاق ہوگی لیکن اگر کہے "ان صحت فی الشہر فانست کذا" تو اس صورت میں مہینے کی کسی ایک ساعت میں کھانے پینے سے رکھنے کی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

ظرف مکان میں اس کے استعمال کی مثال: انت طالق فی السداس یا انت طالق فی مکة ہے چونکہ طلاق کے لیے مکان، ظرف بننے کی صلاحت نہیں رکھتا لہذا یہ طلاق، مطلقاً واقع ہو جائے گی کسی جگہ سے اس کا تعلق نہ ہوگا۔ سوال نمبر ۱۵۴: جب کہ "فی" میں ظرفیت کا سنی پایا جاتا ہے تو کسی فعل پر قسم کھانے یا فعل کو کسی وقت یا جگہ کی طرف معاف کرنے کی صورت میں فاعل کا ظرف بن جانے سے صانت ہوگا۔ یا مفعول کا ظرف بننا قسم ٹوٹنے کا باعث بنے گا،

جواب: اگر وہ فعل صرف فاعل پر مکمل ہو جاتا ہے تو فاعل کا اس وقت یا جگہ میں ہونا قسم ٹوٹنے کے لیے شرط ہوگا مثلاً کسی آدمی نے قسم کھاتے ہوئے کہا "ان شئت مک فی المسجد فکذا" پھر اس نے گلی دی اور وہ مسجد میں تھا جب کہ جس کو گلی دی وہ مسجد سے باہر تھا تو قسم کا کفارہ لازم آئے گا کیونکہ گالی ایسا فعل ہے جو نقطہ فاعل پر پورا ہو جاتا ہے لہذا اس فاعل کا ظرف مکان یعنی مسجد میں داخل ہونا شرط ہے یہی وجہ ہے کہ اگر گالی دیتے وقت وہ مسجد سے باہر اور دوسرا شخص مسجد کے اندر ہو تو صانت نہ ہوگا اور اگر فعل، فاعل سے مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہو تو مفعول کا ظرف میں ہونا قسم ٹوٹنے کے لیے شرط ہوگا کیونکہ فعل

انے اثر کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اور اس صورت میں اس کا اثر مفعول میں پایا جاتا ہے مثلاً اگر کسی شخص نے کہا "ان ضربتک او شجبتک فی المسجد فکذا" تو چونکہ مارنے اور سر پھوٹنے کا اثر فاعل سے مفعول تک متعدی ہوتا ہے لہذا اگر وہ شخص جیسے مار گیا مسجد میں ہو تو قسم نہیں ٹوٹے گی۔

ظرف زمان کے سلسلے میں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا "ان قتلک فی یوم الخمیس فکذا" اب اس نے جمعات سے پہلے زخمی کیا اور وہ جمعات کو مری گیا تو حادث ہو جائے گا کیونکہ قتل اسی وقت قتل کہلائے گا جب دُوح پر دُور کر جائے اور یہ عمل جمعات کو پایا گیا بُدھ وغیرہ میں نہیں۔

سوال نمبر ۱۳۶: اگر کلمہ "فی" فعل پر داخل ہو تو کس معنی میں آتا ہے؟
جواب: اگر کلمہ "فی" فعل پر داخل ہو تو شرط کا معنی دیتا ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا "انت طالق فی دخولک الدار" تو گھر میں داخلہ وقوع طلاق کے لیے شرط ہوگا اس سے پہلے طلاق واقع نہ ہوگی اگر کہا "انت طالق فی حیضتک" تو طلاق کے لیے حیض شرط ہے لہذا اگر وہ حیض کی حالت میں ہو تو اسی وقت طلاق ہو جائے گی ورنہ حیض آنے پر طلاق واقع ہوگی.... جامع صغیر میں ہے اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا "انت طالق فی معینی بعدہ" تو طلوع فجر سے پہلے طلاق ہوگی کیونکہ دن کا آنا شرط ہے اور اگر "فی معینی بعدہ" کہا تو اگر یہ کلام رات کے وقت کہا تو اگلے دن غروب آفتاب کے وقت طلاق واقع ہوگی کیونکہ اب شرط پائی گئی اور اگر دن کے وقت یہ کلام کیا تو اگلے دن جب یہ وقت آئے گا تو طلاق واقع ہوگی کیونکہ مکمل دن گزارنا مراد ہے اور جس دن کلام کیا اس کا کچھ حصہ گزر گیا تھا۔
زیادات (امام محمد رحمہ اللہ کی ایک کتاب) میں ہے اگر کسی شخص نے کہا "انت طالق فی معیتہ اللہ" یا "فی اداعۃ اللہ" تو یہ بھی شرط ہوگی اور طلاق بیشک غرض

سے معنی ہوگی لیکن چونکہ معنیٰ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے کا پتہ نہیں چل سکتا لہذا اطلاق معنی
دہوگی۔

سوال نمبر ۱۴۔ لفظ ”ہلو“ کس مقصد کے لیے استعمال ہوتا ہے واضح بیان مطلوب ہے؟
جواب : ہل ثنّت کا اس بات پر اجماع ہے کہ لفظ بارغوی وضع کے اعتبار اصاق (مصال)
کے لیے استعمال ہوتا ہے باقی معانی کے لیے مجازاً مستعمل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ خرید و فروخت
کے وقت یہ ثمن کے ساتھ آتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بیع میں بیع دوسرے چیز کا سودا ہو رہا
ہے، اصل ہے اور ثمن (قیمت) سودے کے لیے شرط ہے یہی وجہ ہے کہ بیع بلاک ہو جائے
تو سودا ختم ہو جائے گا جب کہ ثمن کی ہلاکت سے سودا برقرار رہتا ہے۔ جب یہ بات ثابت
ہوگئی تو اب قاعدہ یہ ہے کہ تابع، اصل کے ساتھ ملتا ہے، اصل تابع کے ساتھ نہیں ملتا لہذا
جب حرف باء بدل (ثمن) پر داخل ہوا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سودے میں ثمن تابع نہیں
جو اصل کے ساتھ میں گئے لہذا جس پر حرف بدل داخل ہو گا وہ بیع نہیں ہوگا بلکہ ثمن ہوگا یہی
ہے کہ اگر کسی شخص نے کہا ”بعت منك هذا العبد بكذا من المخطئة“
تو غلام بیع اور گندم ثمن ہوگی لہذا قبضے سے پہلے اسے کسی دوسری چیز سے بدلایا جاسکتا ہے اور اگر
کہا ”بعت منك كذا من المخطئة بهذا العبد“ تو غلام ثمن اور
گیوں بیع قرار پائیں گے اور یہ بیع سلم ہوگی جس پر ادھار جائز نہیں لہذا بیع اور بدل دونوں
فی الحال دینا ہوں گے۔

ہمارے علماء احناف فرماتے ہیں اگر کسی شخص نے اپنے غلام سے کہا ”ان اخبوتنی
بقدم فلان فانك حر“ تو اس سے بھی خبر مراد ہوگی یعنی ایسی خبر جو
اس کے آنے سے متصل ہے کیونکہ حرف بار کا یہی تقاضا ہے اگر اس نے بھوٹی خبر دی تو آزاد
نہ ہوگا کیونکہ یہ خبر اس کے آنے سے متصل نہیں ہے۔

اور اگر اس نے کہا ”لواخبرتني ان فلا فاقدم فانك حر“ تو

اس سے مطلق خبر مراد ہوگی اگر جہوئی خبر بھی دے تب بھی آزاد ہو جائے گا کیونکہ یہاں خبر کو
کٹنے کے ساتھ متعل کرنے کے لیے حرف باء استعمال نہیں کیا گیا۔

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا "ان خوجبت من الدار الا باذنی
نانت کذا" تو اس صورت میں چونکہ عزت کا گھر سے جانا اس کی اجازت سے شرط اور
متعل ہے لہذا اسے ہر بار جانے کے لیے خادمہ کی اجازت درکار ہوگی کیونکہ مستثنیٰ یہ خروج
ہے جو اجازت سے متعل ہے۔ اور اگر اس نے کہا "ان خوجبت من الدار الا ان
اذت لکھ" تو صرف ایک بار اجازت کے بغیر باہر جانے سے طلاق ہوگی اور
نہیں کیونکہ لفظ "یا" استعمال نہیں کیا گیا جو خروج کو اجازت سے ملاتا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ
کی تصنیف زیادات میں ہے اگر کسی شخص نے کہا "امنت طالق بمشیئة الله"
یا کہ "بیازادۃ الله" یا "بحکم الله" تو طلاق نہ ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کا اعتدال
کی مشیت، مادے یا حکم سے متعل ہے لہذا جب تک یہ باتیں نہ پائی جائیں طلاق نہ ہوگی
اور اللہ تعالیٰ کی مشیت وغیرہ کے بارے میں علم نہیں ہو سکتا لہذا طلاق واقع نہ ہوگی۔

طریق بیان

سوال نمبر ۱۴۸: بیان کے کتنے اور کون کون سے طریقے ہیں؟

جواب: بیان کے سات طریقے ہیں جن کے نام یہ ہیں:

- (۱) بیان تقریر (۲) بیان تفسیر (۳) بیان تفسیر (۴) بیان ضرورت
- (۵) بیان حال (۶) بیان عطف اور (۷) بیان تبدیل

بیان تقریر

سوال نمبر ۱۴۹: بیان تقریر کی تعریف کریں اور مثال پیش کریں؟

جواب : لفظ کا معنی ظاہر ہو لیکن اس میں کسی دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو تو مستحکم لفظ پر معنی کے ساتھ اپنی مراد کو واضح کر دے یوں اس کے بیان سے ظاہر کا حکم پکا ہو جائے گا ایسے بیانِ تقریر کہتے ہیں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا "فَعَلَانِ عَلٰی قَنْصِيرٍ" حِطَّةٌ بِقَنْصِيرٍ الْمَبْدَةِ يَا فَعَلَانِ عَلٰی الْفِ مِنْ بَعْدِ الْمَبْدَةِ " چونکہ یہ احتمال بھی تھا کہ شہر کے علاوہ کسی دوسری جگہ کا قنصیر مراد ہو اسی طرح ہزار روپے کسی دوسرے شہر کے سکے سے بھی ہو سکتے تھے تو جب مستحکم نے "بَدَل" کا لفظ بولا تو ظاہری معنی یعنی شہر کا قنصیر یا شہر کا سکہ پکا ہو گیا۔ اسی طرح جب کوئی شخص کہے "فَعَلَانِ عِنْدِي الْفِ" غلام کے میرے پاس ہزار روپے ہیں تو ہمیں امانت اور غیر امانت دونوں کا احتمال تھا لہذا جب اس نے "فَعَلَانِ عِنْدِي الْفِ وَدَفِصَةً" کہا تو امانت کا مفہوم جو ظاہر کا تقاضا بھی تھا پکا ہو گیا۔

بیانِ تفسیر

سوال نمبر ۱۵ : بیانِ تفسیر کی تعریف کریں اور مثال بھی دیں ؟

جواب : جب لفظ کی مراد واضح نہ ہو تو مستحکم اپنے بیان سے اس کی وضاحت کر دے یہ بیانِ تفسیر کہلاتا ہے مثلاً کسی شخص نے کہا "فَعَلَانِ عَلٰی شَيْءٍ" پھر لفظ ثوب کے ساتھ اس چیز کی وضاحت کر دی یا اُس نے کہا "فَعَلَانِ عَلٰی عَشْرَةِ دَرَاهِمٍ وَنَيْفٍ" لفظ نَيْفِ دو عقودوں کے درمیان واقع ہوتا ہے ہتھوڑے کے نزدیک ایک سے تین تک بولا جاتا ہے جب مستحکم اس کی وضاحت ایک یا دو کے ساتھ کر دے تو یہ بیانِ تفسیر ہوگا۔ اسی طرح ایک آدمی کہتا ہے "فَعَلَانِ عَلٰی دَرَاهِمٍ" پھر لفظ عَشْرَةٍ کے ساتھ اس کی وضاحت کر دیتا ہے تو یہ بھی بیانِ تفسیر ہے۔ بیانِ تفسیر اور بیانِ تقریر دونوں پہلے کلام سے ملا کر یا الگ دونوں طرح صحیح ہوتے ہیں۔

بیان تغیر

سوال نمبر ۱۵۱: بیان تغیر کی تعریف اور اس کی مثال لکھیں؟
 جواب: بیان تغیر کا مطلب یہ ہے کہ مکمل اپنے بیان کے ساتھ اپنے ہی کلام کا معنی بدل دے مثلاً اُسے معلق کر دے یا اُس میں استثناء کر دے جیسے ایک شخص "اَنْتَ حَسْبُ" کہہ کر "اِنْ دَخَلْتَ الدَّارَ" کہے یا "لَعَلَّنَا عَلَى الْبَيْتِ الدَّهْمَاءُ" کہے پہلی صورت میں غلام کسی شرط کے بغیر آزاد ہو رہا تھا لیکن مکمل نے "اِنْ دَخَلْتَ الدَّارَ" کہہ کر خود اپنے کلام کا معنی بدل دیا اور اُسے مشروط کر دیا۔ دوسری صورت میں اس پر ایک ہزار روپیہ لازم ہوتا تھا اب اُس نے "اِلَّا مِائَةً" کہہ کر پہلے کلام کو بدل دیا یعنی ہزار میں سے ایک سو روپیہ کم کر دیا۔

سوال نمبر ۱۵۲: معلق بالشرط کے بارے میں ہمارے آئمہ اور امام شافعی کے درمیان کیا اختلاف ہے کسی مثال کے ساتھ اسے واضح کریں؟
 جواب: احناف کے نزدیک معلق بالشرط اس وقت سبب بنتا ہے جب شرط پال جائے اس سے پہلے نہیں جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تعلیق اسی وقت سبب ہے البتہ شرط کا نہ پایا جانا نفاذ حکم میں مانع ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے اجنبی صورت سے کہا "ان تزوجتک فانک طالق" ایسی دوسرے کے غلام سے کہا "ان

۱۵۱۔ فانت۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تعلیق باطل ہے کیونکہ تعلیق کا حکم یہ ہے کہ صدر کلام علت بن سکے اور یہاں الملاقا اور عتاق علت نہیں بن سکے کیونکہ ان کی اسماقت اپنے عمل کی طرف نہیں ہو رہی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عورت اور غلام اس کی ملک میں نہیں ہیں جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تعلیق اسی وقت سبب بائن ہے اس لیے ان کا ملک میں ہونا ضروری ہے لیکن احناف کے نزدیک چونکہ اس شخص کا کلام عام ہے اس لیے اس وقت علت بننے کا سبب شرط پائی جائے گی لہذا وجود شرط کے وقت ملکیت حاصل ہو جائے گی بنا بریں احناف کے نزدیک یہ تعلیق صحیح ہے۔

سوال نمبر ۱۵۲۔ کیا احناف کے نزدیک وقوع تعلیق کے صحیح ہونے کے لیے کوئی شرط ہے؟ جواب: ہمارے نزدیک وقوع تعلیق کے صحیح ہونے کے لیے دو باتوں میں سے ایک کا ہونا شرط ہے۔ یا تو ملک کی طرز اس کی اسماقت ہو یا سبب ملک کی طرف مضاف ہو لہذا اگر کسی شخص نے اجنبی عورت کو کہا "ان دخلت الدار فانہ" طاقو پھر اس سے نکاح بھی کر لیا۔ اس کے بعد شرط پائی گئی یعنی وہ گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ وہ اجنبی عورت تعلیق کے وقت اس کی ملک میں نہیں تھی اور سبب ملک شلاً نکاح کی طرف بھی اسماقت نہیں کی گئی۔

سوال نمبر ۱۵۳۔ تعلیق کے سلسلے میں حنفی شافعی اختلاف کی بنیاد پر کچھ مسائل کا ذکر کیجئے؟ جواب: ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر آزاد عورت سے نکاح کی طاقت ہو تو امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک لونڈی سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ قرآن پاک نے لونڈی سے نکاح کو عدم طاقت سے متعلق کیا ہے "وَمَنْ يَمْسُكْهُ مِنْكُمْ فَلَا مَنَ لَهُ عَلَيْهِ مَنَعَةٌ" (انکو مینت فمین فمکت ایما نکح) پس جب آزاد عورت سے نکاح کی طاقت ہوگی تو لونڈی سے نکاح کے جو اندہ کی شرط معدوم ہوگی اور شرط کا نہ پایا جاتا حکم کی راہ میں رکاوٹ ہے اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مطلقہ بائنا کو اسی صورت میں نفقہ دیا جائے گا

جب وہ حاملہ ہو کر کوثر ان پاک لے بن پر خیمہ کھنے کو محل کے ساتھ مطلق کیا ہے۔ ارشاد
باری تعالیٰ ہے: "قَدْ اِنْ كُنْ اَوْلَدَتْ حَمْلًا فَالْيُكُوْا عَلَيْهِمْ عَتَى يَضَعُوْا حَمْلَهُمْ"

لہذا عدم حمل کی صورت میں شرط عدم ہوگی اور شرط عدم ہونا حکم سے مانع ہے۔ لیکن جب
شرط کا نہ پایا جاتا حکم سے مانع ہوگا تو ممکن ہے کہ وہ حکم کسی اور دلیل سے ثابت ہو لہذا ہمارے
نزدیک لونڈی سے نکاح اور مطلقہ بائرنہ عورتوں پر خراج کرنا عام نصوص سے ثابت ہوگا
مثلاً لونڈی کے نکاح کے سلسلے میں "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا دَرَاَعُ ذَلِكُمْ اَمْدًا لِّمَحْوَا
مَّا طَابَ لَكُمْ مِنَ الْمُنَاكِحِ مَشْنُوْا ذَلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُوْنَ" اور انفاق
کے سلسلے میں "وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقٌ مِّنْ وَّٰلِدَيْهِ ذَكَرْتُ لَكُمْ شَيْئًا مِّنْ الْمَعْرُوفِ يُزَوِّجُ الْفَقِيْرَ
عَبَّاسٌ" وغیرہ آیات سے استدلال کیا جائے گا۔

سوال نمبر ۱۵۵: تعلیق بالشرط کے قواعد میں سے ایک، اہم موصوف پر حکم لگائے جانے
میں صفت کا لحاظ ضروری ہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ موصوف پر صفت سے قطع نظر نہیں بلکہ اس کا اعتبار کرتے
ہوئے حکم لگایا جائے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک حکم اس وصف کے ساتھ متعلق ہوتا
ہے گویا وہ وصف ہی شرط ہے جیسے امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتابہ لونڈی سے نکاح
جائز نہیں کیونکہ نفقہ قرآن میں اس حکم نکاح کو سونے لونڈی سے معلق کیا گیا ہے قرآن پاک
میں آتا ہے "مِنْ ثَمَرَاتِهِمْ اَلْمَوْلُودُ حَنِتٌ" پس اس کا مؤمن ہو یا ضروری ہو گیا لہذا
جب یہ وصف نہیں پایا جائے گا تو نکاح جائز نہیں ہوگا جب کہ احناف کے نزدیک اس
نفع میں مسلمان لونڈی سے نکاح کے جواز کا ذکر ہے لیکن کتابہ لونڈی سے نکاح کے جواز یا
عدم جواز کا کوئی ذکر نہیں لہذا اس سے نفی ہوگی نہ اثبات اور کتابہ لونڈی سے نکاح دیگر نصوص
مثلاً "وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا دَرَاَعُ ذَلِكُمْ" سے ثابت ہوگا

سوال نمبر ۱۵۶: بیان تفسیر میں سے ایک اس مسئلہ میں حنفی ائمہ اور

امام شافعی کے درمیان کیا اختلاف ہے ؟

جواب : اخلاف کے نزدیک استثناء کے بعد جو کچھ باقی بچتا ہے اس کے ساتھ کلام ہوتا ہے جب کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک آغاز کلام وجوب کل کے لیے علت بنتا ہے مگر استثناء اس علت کو عمل سے روک دیتا ہے جیسے تعلیق کی صورت میں شرط کا نہ پایا جانا عمل سے مانع ہوتا ہے اس کی مثال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے ”لَا تَبِيعُوهُ إِلَّا طَعَامًا“ یا لَطْعَامًا۔ الا سَوَاءٌ يَبْتَوَاءُ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک صدر کلام کھانے کی کھانے کے ساتھ بیع کو مطلقاً حرام کرتا ہے پھر استثناء کی وجہ سے مساوات کی صورت خذو ہو جائے گی اور باقی اسی ابتدائی حکم کے تحت رہے گا اور اس کے نتیجے میں ایک مُشت طعام دو مُشت طعام کے بدلے میں بیچنا جائز نہیں کیونکہ وہ مساوات سے خارج ہے جب کہ ہمارے نزدیک یہ جائز ہے اس لیے کہ بیع کی مانعت اس صورت کے ساتھ مقید ہے جس میں انسان مساوات اور کمی زیادتی پر قاصر ہو کیونکہ اگر یہ قید نہ لگائی جائے تو عاجز کو روکنا لازم آئے گا لہذا جو چیز مساوات کے معیار یعنی کیل اور وزن میں نہیں آئے گی وہ اس صورت کے ضمن میں نہیں آتی اور چونکہ مُشت کیل اور وزن سے خارج ہے لہذا اس میں مساوات کی شرط نہیں ہے۔

سوال نمبر ۱۵۷: بیان تغیر کی کچھ مثالیں دیں نیز یہ بتائیں کہ یہ بیان کب صحیح ہوتا ہے ؟
جواب : اگر کسی شخص نے کہا ”فَعَلَانِ عَلَى الْفَتْحِ وَدَوْنِهَا عَلَى الْفَتْحِ“ تو یہاں لفظ علی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہزارہ درہم اس پر واجب ہیں لیکن لفظ ودیعت نے اسے وجوب کی بجائے حفاظت میں تبدیل کر دیا گویا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ درہم بھر پر لازم نہیں بلکہ اس نے میرے پاس بطور امانت رکھے ہیں اسی طرح اگر کوئی شخص کہتا ہے ”أَعْطَيْتَنِي الْفَتْحَ فَلَمْ أَقْبِضْهَا“ یا ”أَسَافَتَنِي“ کا لفظ استعمال کرتا ہے تو یہ بھی بیان تغیر ہے کیونکہ ”دَعْطِيقٌ“ سے جو قبضہ ثابت ہو سکتا ہے ”لَمْ أَقْبِضْهَا“ نے اسے بدل دیا اسی طرح

اگر کوئی شخص کہتا ہے ”بَطْنٌ عَلَى الْفِ زَيْوْنَا“ تو ”مَحَلُّ الْفِ“ سے کھرے دہم مراد تھے کیونکہ عام طور پر انہی کے ساتھ معاملہ ہوتا ہے لیکن اُس نے ”زَيْوْنَا“ کہہ کر پہلے کلام کو بدل دیا۔ چونکہ شرط اور استثناء وغیرہ مستقل کلام ہوتے ہیں اپنے ماقبل کے بغیر کسی معنی کا فائدہ نہیں دیتے لہذا بیانِ تفسیری وقتِ صحیح ہو گا جب مستقل ہو افعال کی صورت میں صحیح نہیں ہو گا۔

بیانِ ضرورت

سوال نمبر ۵۸: بیانِ ضرورت کا کیا مطلب ہے اس کی کچھ مثالیں بھی پیش کریں؟
 جواب: بیانِ ضرورت وہ بیان ہے جو کسی کلام سے بطور ضرورت ثابت ہوتا ہے اور اُس کے لیے الفاظ استعمال نہیں کیے جاتے مثلاً ”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے“ ”وَدَّ بَشَرٌ لِّآبَائِهِمْ مِمَّا كَفَرَ“ اس آیت سے ثابت ہوا کہ میت کی وراثت میں ماں باپ دونوں شریک ہیں پھر جب ماں کا حصہ بیان کر دیا تو اس سے باپ کا حصہ خود بخود معلوم ہو گیا کیونکہ جب ماں کا تیسرا حصہ ہوا تو باقی دو تہائی باپ کا ہو گا حالانکہ اس کے لیے کوئی الفاظ استعمال نہیں کیے گئے۔ اسی طرح اگر مضاربیت اور مزارعت میں مضارب اور مزارع کا حصہ بیان کر دیا جائے تو رب المال اور زمیندار کا حصہ خود بخود متعین ہو جائے گا یعنی جو باقی ہو گا وہ اُن کا ہو گا اسی کی ایک اور مثال یہ ہے کہ کسی شخص نے دو آدمیوں کے لیے ایک ہزار کی وصیت کی پھر اُن میں سے ایک کا حصہ بیان کر دیا تو دوسری بیان دوسرے کے حصے کا بیان بھی ہو گا یعنی باقی اُس کے لیے ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے اپنی دو بیویوں میں سے ایک کو بٹائیں طلاق دی پھر ایک سے وطی کر لی تو یہ دوسری بیوی کی طلاق کا بیان ہو گا البتہ اگر کوئی شخص اپنی دو لونڈیوں میں سے ایک کو آزاد کر دیتا ہے اور تعین نہیں کرتا پھر ایک سے وطی کر لیتا ہے تو یہ دوسری لونڈی کی آزادی کا بیان نہیں ہو گا کیونکہ ہو سکتا ہے اس سے

دلی نکاح کی بنیاد پر کروا ہوا دہائے آزاد کر دیا گیا ہو لہذا یہاں دلی کے حلالی ہونے کی
دہرے ملکیت کی جہت متعین نہیں ہوگی۔

بیان حال

سوال نمبر ۱۵۹: بیان حال کا کیا مطلب ہے اور اس کی کچھ مثالیں بیان کریں؟
جواب: جس جگہ کچھ بیان کرنے کی ضرورت ہو اور وہاں خاموشی اختیار کر لی جائے تو یہ خاموشی
بیان حال کہلاتی ہے کیونکہ اگر وہاں حکم اس موجودہ حالت کے خلاف ہوتا تو اسے ضرور بیان کیا جاتا
لہذا وہاں خاموشی اختیار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہی حق ہے مثلاً صاویب شرع نے کوئی کام
یا بات دیکھی اور اس سے منع دیکھا تو یہ خاموشی اس قول یا فعل کے بوز کا بیان ہوگا اسی طرح اگر
کسی شخصہ کرنے والے نے اس مکان یا زمین کا سودا ہوتے ہوئے دیکھا جس پر وہ شخصہ کر سکتا تھا
لیکن وہ خاموش رہا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس سودے پر اس شخصہ سے اسی طرح بکروقت
کو حیب معلوم ہو کہ اس کے دل سے اس کا نکاح کر کے دیا ہے لیکن اس نے رد کیا تو یہ خاموشی
اس کی رضامندی اور اجازت کا بیان ہوگا کیونکہ اگر مولیٰ نے اپنے غلام کو بازار میں خرید و فروخت
کرتے ہوئے دیکھا لیکن اسے نہیں روکا تو یہ اجازت ہوگی اور وہ غلام تجارتوں میں مداخلت
قرار پائے گا۔ اگر مری علیہ قاضی کی مجلس میں قسم کھانے سے انکار کر دے تو یہ عمل اس بات کی
دلیل ہے کہ وہ اپنے اوپر مال کے زوم پر راضی ہے البتہ اتنا اختلاف ضرور ہے کہ صاحبین کے
نزدیک اس پر یہ مل بطور اقرار لازم ہوگا اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بذل کے طور پر
یعنی گویا کہ وہ شخص قسم کے بدلے اپنے اوپر مال لازم کر رہا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس مقام پر
بیان کی حاجت ہو وہاں خاموشی بیان قرار پائے گی اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ بعض مجتہدین کسی
مسئلے کو واضح طور پر بیان کریں اور کہو اس کے خلاف ہونے سے خاموش رہیں تو یہ اجماع ہوگا
کیونکہ بعض لوگوں کا سکوت اس بات کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔

بیان عطف

سوال نمبر ۱۶۰: بیان عطف کسے کہتے ہیں اور اس کی کچھ مثالیں ذکر کریں؟
 جواب: عطف کا معنی لوٹانا ہوتا ہے اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کسی مجمل جملہ پر
 کیلی یا دونوں چیز کا عطف کریں تو یہ اس مجمل جملہ کا بیان ہوگا۔ مثلاً ایک شخص نے کہا "لَعَلَّكَ عَلَى
 مِائَةِ دَرَاهِمٍ" یا "مِائَةً دَرَاهِمًا حِطَّةً" تو یہ عطف بیان کے قائم مقام ہے
 یعنی تمام ایک ہی جنس سے قرار پائے گا پہلی صورت میں ایک سو ایک درہم اور دوسری صورت
 میں لگدم کی ایک سو ایک پوری مراد ہوگی اسی طرح اگر کسی شخص نے کہا "مِائَةً دَرَاهِمًا وَأَنْتَ أَهْلٌ
 بِهَا" یا "مِائَةً دَرَاهِمًا وَأَنْتَ أَهْلٌ بِهَا" تو یہ اس بات کا بیان ہے
 کہ سبھی معطوف کی جنس سے ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے "وَعِشْرُونَ" کہا جائے۔
 نوٹ: اگر معطوف کیلی یا دونوں چیز ہو تو بیان عطف نہیں ہوگا مثلاً "مِائَةً دَرَاهِمًا وَأَنْتَ أَهْلٌ
 بِهَا" یہاں فقط ثواب اور شاة، مِائَةً کا بیان نہیں ہوگا کیونکہ عام طور پر
 لوگ اختصار کے پیش نظر معطوف علیہ کی وضاحت ترک کر کے معطوف کی تفسیر پر اکتفا کرتے
 ہیں اور چونکہ ایسا ضرورت کے تحت ہوتا ہے لہذا ان ہی چیزوں میں ہوگا جن کا استعمال بکثرت
 ہوتا ہے اور وہ دین بننے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور یہ کیلی اور دزدی چیزیں ہیں کپڑا وغیرہ
 عام طور پر کسی کے ذمہ دین نہیں ہوتا لہذا یہ معطوف کا بیان نہیں ہوگا۔ لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ
 معطوف علیہ اور معطوف کو ایک ہی جنس قرار دینے کے ضابطے کی روشنی میں ان صورتوں کو بھی
 بیان عطف قرار دیتے ہیں۔

بیان تبدیل

سوال نمبر ۱۶۱: بیان تبدیل کی تعریف کریں اور بتائیں کہ اس کا حق کس کو حاصل ہے نیز کہ

شائیں بھی پیش کریں؟

جواب: بیان تبدیل جسے نسخ بھی کہا جاتا ہے، حکم سابق کو بدلنا اور منسوخ کرنا ہے اور اس کا حق صرف شارع کو ہے بندوں کو اس کا حق نہیں پہنچتا چونکہ نسخ یا بیان تبدیل، گذشتہ حکم کو بدلنا ہوتا ہے لہذا کل سے کل کو مستثنیٰ نہیں کیا جاسکتا اور ایسی استثناء باطل ہے اور چونکہ نسخ کا حق بندوں کو حاصل نہیں لہذا اقرار اور طلاق کے بعد رجوع کی اجازت نہیں اسی طرح غلام آزاد کرنے کے بعد بھی رجوع نہیں کیا جاسکتا۔

سوال نمبر ۱۴۲: کوئی ایسی مثال دیں جو بعض آئمہ کے نزدیک بیان تغییر اور کسی نزدیک بیان تبدیل ہو؟

جواب: اگر کسی شخص نے کہا "عَلَّانَ عَلَى الْاَلِّ قَدْ شَرَّ" یا کہا "مَنْ اَلْبَيْتِ" پھر کہا "فَرُيُوفٌ" یعنی کہوئے میں نے اپنے کلام سے متسل کتاب ہے تو بائین کے نزدیک بیان تغییر ہے لہذا موصلاً صحیح ہے۔ لیکن امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک یہ بیان تبدیل ہے لہذا اتصال کے ساتھ بھی صحیح نہیں۔ اگر کسی شخص نے کہا۔

"يُعْلَانُ عَلَى الْاَلِّ" بن عثمان جارية باعيتها وَاَوْكُوْا قَبَضَهَا" حالانکہ اس بوندی کا کوئی نام و نشان نہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ بیان تبدیل ہے کیونکہ اس کا یہ کہنا کہ میرے ذمہ ایک ہزار درہم ہیں اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے بیع پر قبضہ کیا پھر وہ ہلاک ہو گیا کیونکہ قبضہ کرنے سے پہلے بیع کے ہلاک ہونے سے بیع ٹوٹ باقی ہے اور خریدار پر ثمن لازم نہیں رہتا لہذا جب اس نے ہزار درہم کا اقرار لیا پھر کہا میں نے قبضہ نہیں کیا تو یہ پہلے بیان سے رجوع ہے اس لیے یہ بیان تبدیل ہو گا۔ لہذا یہ اتصال کے طور پر بھی صحیح نہیں۔

سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سوال نمبر ۱۶۳: سنت کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کیجئے؟
 جواب: سنت کا لغوی معنی طریقہ اور عادت ہے اور اصطلاح شرعی میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل اور تقریر کو سنت کہتے ہیں۔ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے سامنے کوئی کام کیا گیا اور آپ نے اس کا رد نہ فرمایا بلکہ خاموشی اختیار فرما لی۔ سنت کو خبر بھی کہتے ہیں اور یہاں سنت کی بجائے فقط خبر استعمال کرنے کی حکمت یہ ہے کہ عام الناس وغیرہ اقسام قول سے آتی ہیں فعل سے نہیں اور فقط خبر کا اطلاق قول پر ہوتا ہے جب کہ سنت کا اطلاق عام طور پر فعل پر ہوتا ہے۔
 سوال نمبر ۱۶۴: خبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت بیان کیجئے؟

جواب: علم و عمل کے لزوم کے اعتبار سے خبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی طرح ہے کیونکہ جس شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانا اور حقیقت اس نے اللہ کا حکم مانا۔ قرآن پاک کی آیات اور احادیث مبارکہ اس بات پر گواہ ہیں۔ مثلاً ”وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ (۱) هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ“ نیز ”مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَتَدُخِلْهُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ“ وغیرہ۔
 غاس اور عام وغیرہ اقسام جس طرح قرآن پاک میں پائی جاتی ہیں اسی طرح سنت میں بھی پائی جاتی ہیں۔

نوٹ: قرآن پاک کا ثبوت شک و شبہ سے پاک ہے لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کے ثبوت اور آپ تک اس کے انتقال میں شبہ بھی ہو سکتا ہے یہی وجہ کہ حدیث پاک مختلف اقسام پر تقسیم کیا گیا ہے۔

سوال نمبر ۱۶۵: ثبوت کے اعتبار سے حدیث کی کتنی اور کون کون سی اقسام ہیں؟
جواب: ثبوت کے اعتبار سے حدیث کی تین اقسام ہیں:

نمبر ۱: متواتر: جو آپ سے بلاشبہ ثابت ہو۔

نمبر ۲: مشہور: جس کے ثبوت میں کسی قسم کا شبہ پایا جاتا ہے۔

نمبر ۳: آحاد: وہ احادیث جن کے ثبوت میں شبہ اور احتمال پایا جاتا ہو۔

سوال نمبر ۱۶۶: ان تینوں اقسام کی وضاحت کیجئے اور مثالیں دیں؟

جواب: متواتر وہ حدیث ہے جسے ایک جماعت دوسری جماعت سے نقل کرے اور وہ

جماعت اتنی کثیر ہو کہ ان کا کسی جوٹ پر متفق ہونا مقصور نہ ہو اور یہ سلسلہ ہم تک اسی طرح

چلا آتا ہو اس کی مثال قرآن پاک کا منتقل ہونا، رکعات کی تعداد اور رکوع کی مقدار ہے۔

مشہور وہ حدیث ہے جو پہلے دور یعنی عصر صحابہ میں خبر واحد کی طرح ہو لیکن دوسرے

اور تیسرے زمانے میں مشہور ہو جائے اور اُمت اُسے قبول کرے حتیٰ کہ متواتر کی طرح ہو کر ہم

تک پہنچے۔ اس کی مثال: موزوں پر مسح اور زنا کی صورت میں سنگسار کرنا ہے۔

خبر واحد وہ ہے جسے ایک راوی سے ایک، یا جماعت سے ایک یا ایک سے

جماعت نقل کرے اس میں تعداد کا کوئی اعتبار نہیں جب تک مشہور کی حد کو نہ پہنچے۔

سوال نمبر ۱۶۷: ان تینوں اقسام کا حکم بھی بیان کریں؟

جواب: حدیث متواتر سے علم قطعی واجب ہوتا ہے اور اس کا رد کفر ہے۔ حدیث مشہور

سے اطمینان بخش علم حاصل ہوتا ہے اور اس کا رد بدعت ہے۔ ان دونوں پر عمل کرنے کے

بازے میں علماء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ احکام شریعہ میں خبر واحد پر عمل کرنا واجب

ہوتا ہے لیکن اس سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا اگرچہ بعض آئمہ اور محدثین کے نزدیک اس

سے یقینی علم واجب ہو جاتا ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ راوی مسلمان ہو عادل ہو اس کا حافظہ

اور عقل صحیح ہو اور اس کی سند بھی متصل ہو نیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آج تک تمام

راویوں کا اس شرط سے معروف ہونا ضروری ہے۔

سوال نمبر ۱۶۸: علم و اجتہاد کے حوالے سے راوی کی کتنی اور کون کون سی قسمیں ہیں؟

جواب: راوی کی دو قسمیں ہیں:

نمبر ۱: وہ راوی جو علم و اجتہاد میں معروف ہیں جیسے خلفاء راشدین۔ عبد اللہ بن مسعود۔

عبد اللہ بن عباس۔ عبد اللہ بن عمر۔ زید بن ثابت۔ معاذ بن جبل اور ان جیسے دیگر

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

نمبر ۲: دوسری قسم ان راویوں کے ہے جو حفظ و عدالت میں معروف ہیں لیکن اجتہاد اور فتویٰ

میں معروف نہیں ہیں جیسے حضرت ابو ہریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما۔

سوال نمبر ۱۶۹: پہلی قسم کے راویوں سے ثابت روایت پر عمل کا حکم بیان کیجئے اور مثال

بھی دیجئے؟

جواب: جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان حضرات کی روایت صحیح ثابت ہو جائے تو

قیاس کے مقابلے میں اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے یعنی قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ

ہتھمہ کی صورت میں دنوں ٹوٹنے کے بارے میں امام محمد رحمہ اللہ نے قیاس کو چھوڑ دیا اور

اعرابی کی حدیث کو اختیار کر لیا اور وہ یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو نماز

پڑھا رہے تھے کہ ایک اعرابی جس کی بیانی کمزور تھی آیا اور کنوئیں میں گر گیا جس پر بعض صحابہ کرام

ہنسی پڑے۔ نماز سے فراغت کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو

شخص ضرور زور سے ہنسا ہے وہ نماز اور وضو دونوں لوٹائے اس حدیث پر عمل کیا گیا اور

قیاس جس کا تقاضا یہ تھا کہ وضو نہ ٹوٹے اسے چھوڑ دیا گیا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ اگر صنف میں عورت مرد کے ساتھ کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز ٹوٹ

جاتی ہے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عورت کی نماز ٹوٹی لیکن یہاں قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر

عمل کیا گیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو پیچھے رکھنے کا حکم دیا ہے چونکہ مرد نے اسے

تیجھے دیکھ کے بڑھم کا ارتکاب کیا ہے لہذا اس کی ناز ٹوٹے گی۔

تیسری مثال یہ ہے کہ قے کے ساتھ وضو ٹوٹ جاتا ہے یہاں قیاس کا اتنا ضایہ ہے کہ وضو ٹوٹنا لیکن قیاس کو ترک کرتے ہوئے حدیث پر عمل کیا گیا اور وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو نماز میں قے یا کسیر آئے وہ واپس لوٹ جائے اور وضو کر کے پناہ کرے۔ جب تک کلام نہ کیا ہو۔

چوتھی مثال سجدہ پہو کے لیے سلام پھیرنے کا مسئلہ ہے قیاس کا اتنا ضایہ ہے کہ سلام سے پہلے سجدہ کیا جائے لیکن ہم نے قیاس کو چھوڑ کر حدیث پر عمل کیا اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر سہو کے لیے سلام کے بعد دو سجدے ہیں۔

سوال نمبر ۱۱: دوسری قسم کے ردیوں سے صحیح ثابت ہونے والی روایت پر عمل کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: جب اس قسم کے ردیوں سے روایت کی صحت ثابت ہو جائے تو پھر دیکھیں گے کہ قیاس کے موافق ہے یا مخالف مگر قیاس کے موافق ہو تو اس پر عمل کرنا لازم ہوگا اور اگر قیاس کے خلاف ہو تو قیاس پر عمل کرنا اس کی نسبت زیادہ بہتر ہے مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس چیز کو آگ پہنچے اس (کے کھانے) سے وضو واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے پوچھا کہ بتائیے اگر آپ گرم پانی سے وضو کریں تو کیا اس کے بعد پھر وضو کریں گے اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے قیاس کے ساتھ اس روایت کو رد کیا کیونکہ اگر آپ کے پاس کوئی اور روایت ہوتی تو آپ اُسے پیش کرتے۔ اسی ضابطے کی بنیاد پر ہمارے اصناف نے مسئلہ محترقات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو چھوڑ دیا وہ روایت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹوں اور بکریوں کے تھنوں میں دو دو دھرو دو کو اور اس صحت میں اگر مشتری دو دو دھو دھوے تو اسے جاننا

کو رکھنے یا اس صورت میں واپس کھانے کا اختیار ہے کہ اس کے ساتھ دودھ کی جگہ ایک صاع کھجور بھی دے لیکن یہ روایت قیاس کے خلاف ہے اس لیے کہ اس بات پر تمام کا اجتماع ہے کہ جس چیز کی مثل ہو اس میں ضمان مثل ضروری کے ساتھ ہوگی اور جس کی مثل نہ ہو اس میں نقصان کی ضمان مثل معنوی یعنی قیمت کے ساتھ ہوگی اور کھجوریں دودھ کی نہ تو مثل ضروری ہیں اور نہ ہی مثل معنوی۔ لہذا قیاس پر عمل کرتے ہوئے اس روایت کو چھوڑ دیا جائے گا۔

سوال نمبر ۱۷۱: راویوں کے حالات مختلف ہونے کے اعتبار سے خبر واحد پر عمل کیے کیا شرط ہے؟

جواب: اس صورت میں خبر واحد پر عمل کرنے کے لیے تین شرطیں ہیں:

۱۔ قرآن پاک کے خلاف نہ ہو؛ ۲۔ حدیث مشہورہ کے خلاف نہ ہو؛ ۳۔ ظاہر کے خلاف نہ ہو۔
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تمہارے پاس بکثرت احادیث آئیں گی لہذا جب تمہارے سامنے کوئی حدیث پیش کی جائے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کر دو۔ اگر اس کے موافق ہو تو قبول کر لو اور اگر خلاف ہو تو رد کر دو۔ اس بات کی تحقیق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے ملتی ہے آپ فرماتے ہیں کہ راویوں کی تین قسمیں ہیں،
 ۱۔ مخلص مومن جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اختیار کی اور آپ کے کلام کا مفہوم سمجھا؛ ۲۔ دیہاتی جو کسی قبیلے سے آیا اور آپ کا کچھ کلام سنا لیکن حقیقت کلام کو نہ سمجھ سکا اپنے قبیلے کی طرف لوٹا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے بغیر روایت کر دیا جس سے معنی بدل گیا حالانکہ اس کے خیال میں معنی تبدیل نہیں ہوا۔ ۳۔ منافق جس کی منافقت غیر معروف تھی اس نے شے بغیر روایت کر دیا اور بھوٹا بنا دیا اس سے کچھ لوگوں نے سنا اور اسے مخلص مومن خیال کر کے پھرتے اس حدیث کو آگے روایت کر دیا اور یہ حدیث لوگوں میں شہود ہو گئی تو اس بنیاد پر خبر واحد کو قرآن پاک اور شہود حدیث پر پیش کرنا ضروری ہے۔

سوال نمبر ۱۷۲: خبر واحد کو قرآن پاک پر پیش کرنے کی کوئی مثال پیش کریں؟

جواب ۱: اس ضمن میں دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں حدیث شریف میں ہے "مَنْ مَسَّ
ذَكَرَكَ لَا قَلْبَتُوهُ سَخَاءً" جب ہم نے اس حدیث کے قرآن پاک کے مطابق ہونے پر چو
کا جائزہ لیا تو اسے قرآن پاک کے خلاف پایا کیونکہ قرآن پاک میں ہے "فِيهِ رِجَالٌ مُّجْتَنِبُونَ
أَنْ يَتَسَطَّطُوا فِيهِ" (۱) "تو وہ صحابہ کرام چھروں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے دھوا
تھے تو اگر کسی نے ذکر حدیث ہوتا تو پانی سے استنجا کرنا پاک کرنے والا ہوتا بلکہ ناپاک کر دیتا اور
مثال حدیث شریف میں ہے "ایما امرأۃ نکحت نفسها بغینہ اذن ولہا
فیما مہا باطل باطل باطل" یہ حدیث بھی قرآن پاک کے خلاف ہے۔ قرآن پاک میں ہے
"فَلَا تَعْصُوهُنَّ أَنْ يَنْكَحْنَ أَرْوَاحَهُنَّ" تو قرآن پاک سے ثابت ہوا کہ نکاح کا اختیار مرد
کو حاصل ہے اور اذن دل کے بغیر بھی ان کا نکاح ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ یہاں نکاح کی نہایت
حد توں کی طرف کی گئی ہے۔

سوال نمبر ۱۳: خبر واحد کی خبر مشہور سے مطابقت معلوم کرنے کے سلسلے میں مثال پیش کیجیے
جواب: اس سلسلے میں ایک گواہ اور قسم کے ساتھ فیصلہ کرنے کی روایت جسے امام بیہقی نے
روایت کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشہور حدیث کے خلاف ہے کہ آپ نے فرمایا:
"أَلْبَسْتَنِي مَحَلِي الْمَدِينِ وَالْيَمِينِ حُلِي مِنْ أُنْكَ"

سوال نمبر ۱۴: اگر خبر واحد ظاہر کے خلاف ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جاتا اس کی کیا وجہ ہے؟
نیز مخالفت ظاہر کی کتنی اور کون کون سی صورتیں ہیں مثال کے ساتھ لکھیں؟

جواب: چونکہ خبر واحد میں غلطیت پائی جاتی ہے لہذا جب یہ ظاہر کے خلاف ہو گا تو اس پر
عمل نہیں کیا جائے گا اور اس مخالفت کی صورت یہ ہے کہ وہ حدیث اس چیز میں مشہور ہو
جو صحابہ کرام اور تابعین کے زمانے میں عام طور پر پائی جاتی تھی کیونکہ وہ لوگ سنت کی
متابعت میں کوتاہی کی تھمت سے پاک ہیں تو شدید حاجت اور عموم ابتلاء کے باوجود
جب یہ حدیث مشہور ہوئی تو یہ اس کے صحیح نہ ہونے کی علامت ہے اس کی مثال یہ ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں جاتے ہوئے اور اُس سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے حالانکہ حضرت کہا ہر فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مجلس میں کئی سال گزارے لیکن میں نے آپ کو کبیر تحریر کے علاوہ ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا تو اس سے ثابت ہوا کہ یہ حدیث ظاہر عمل کے خلاف ہے۔

مسائل شرعیہ میں اس کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ خبر دے کہ اس کی بیوی رضاعت طہری کی وجہ سے اس پر حرام ہو گئی ہے تو اس کی خبر پر اعتماد کرنا ناہند کے لیے جائز ہے اور وہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر کسی شخص نے یہ خبر دی کہ رضاعت کی وجہ سے اُن کا عقد نکاح باطل تھا تو یہ خبر قبول نہیں کی جائے گی۔ رضاعت طہری کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے پھوٹی پھی سے نکاح کیا اب کسی معتبر شخص نے یہ بتایا کہ اس لڑکی نے اس کی ماں کا دودھ پیا ہے لہذا وہ اس کی بہن ہے تو چونکہ یہ خبر ظاہر کے خلاف نہیں ہے اس لیے کہ یہ عمل یعنی عورت کا اس بچی کو دودھ پلانا ممکن ہے لہذا اس خبر پر اعتبار کیا جائے گا جب کہ دوسری صورت میں یہ بتایا گیا کہ وہ عورت پہلے سے اس کی رضاعی بہن تھی لہذا یہ عقد شرع سے ہی باطل ہے۔ یہ ایسی خبر ہے جو ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ لوگوں کی ایک جماعت کی موجودگی میں نکاح ہوا اور وہ نکاح شہرت پذیر بھی ہو گیا۔ گواہوں نے گواہی بھی دی لہذا یہ خبر صحیح ہو سکتی۔ اسی طرح کسی عورت کو یہ بتایا گیا کہ اس کا خاوند سر گیا ہے یا اُس نے اُسے طلاق دے دی ہے تو چونکہ یہ خبر ظاہر کے خلاف نہیں ہے لہذا اس پر اعتماد کرتے ہوئے وہ دوسرے شخص سے شادی کر سکتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو ایک آدمی نے بتایا کہ قبل فلاں طرف ہے تو چونکہ یہ خبر ظاہر کے خلاف نہیں ہے لہذا اس پر عمل کیا جائے گا۔

اور اگر کسی شخص نے پانی پایا اور وہ اس پانی کی حالت سے بے خبر ہے پھر کسی دوسرے شخص نے اُسے بتایا کہ یہ پانی ناپاک ہے تو چونکہ ظاہر میں کوئی بات اس خبر کے خلاف

نہیں ہے لہذا اس پر عمل کرتے ہوئے وہ وضو کرے بلکہ تیمم کرے۔
 سوال نمبر ۱۵۵: خبر واحد کتنے اور کن کن مقامات پر حجت بن سکتی ہے؟
 جواب: خبر واحد چار مقامات پر عمل میں حجت ہے:
 نمبر ۱: خاص اشد تعالیٰ کا حق جو سترائے ہو۔
 نمبر ۲: خاص بندے کا حق جس میں کسی دوسرے پر کوئی چیز لازم کی جاتی ہو۔
 نمبر ۳: خاص بندے کا حق جس میں کچھ لازم کرنا ہو۔
 نمبر ۴: خاص بندے کا حق جس میں کسی دوسرے سے کچھ لازم کرنا ہو۔

پہلی صورت میں خبر واحد قبول کی جاتی ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کے چاند کے سلسلے میں ایک دیہاتی کی گواہی قبول فرمائی۔ دوسری صورت میں خبر دینے والوں کی تعداد جو کم از کم دس ہے اور ان کا عادل ہونا شرط ہے۔ اس کی مثال مال وغیرہ کے بھگڑے ہیں۔ تیسری صورت میں ایک آدمی کی خبر قبول کی جائے گی عادل ہو یا ناسق اس کی مثال معاملات ہیں۔ چوتھی صورت میں امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک گنتی یا عدالت میں سے ایک بات شرط ہے اور اس کی مثال کسی کو معذور کرنا یا کسی پر پابندی لگانا ہے۔



اجماع کا بیان

سوال نمبر ۷۶: اجماع کا لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کیجئے؟
 جواب: اجماع کا لغوی معنی پختہ ارادہ اور اتفاق ہے کہا جاتا ہے۔
 فلان شخص نے کسی کام کا ارادہ کیا اور "اجمعوا علی کذا" یعنی وہ سب فلاں کام پر متفق ہو گئے۔

اصطلاح شرع میں اجماع کا معنی "اتَّفَقَ عُلَمَاءُ كُلِّ عَصْرِ مِنْ أَهْلِ السَّنَةِ
 قَدِیِّ الْعَدَالَةِ وَالْإِجْتِمَاعِ عَلَى حُكْمٍ" ہر زمانے کے عادل و مجتہد علماء اہل سنت کا کسی حکم پر متفق ہو جانا۔
 سوال نمبر ۷۷: اجماع کی شرعی حیثیت اور اس کا اقسام کبھی؟
 جواب: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس اُمت کا فروغ دین میں اجماع
 حجت ہے جس پر عمل کرنا واجب ہے اور یہ اس اُمت کی کرامت و شرافت کی وجہ سے ہے
 اجماع کی چار قسمیں ہیں:

نمبر ۱: صحابہ کرام کا کسی نئے حکم پر واضح الفاظ کے ساتھ اجماع۔
 نمبر ۲: بعض صحابہ کرام کی ہر جہت اور باقی صحابہ کرام کا اس حکم کو رد کرنے سے خاموشی اختیار کرنا
 نمبر ۳: صحابہ کرام کے بعد ولیدوں یعنی تابعین کا اس حکم پر اجماع کرنا جس میں صحابہ کرام کا قول
 دیا یا جائے۔

نمبر ۴: صحابہ کرام کے اقوال میں سے کسی ایک قول پر تابعین کا اجماع۔

سوال نمبر ۷۸: ان تمام اقسام کے اجماع کی حیثیت کیا ہے؟
 جواب: پہلی قسم کا اجماع اعتقاد اور عمل کے اعتبار سے قرآن پاک کی کسی آیت کی طرح ہے

دوسری قسم کا اجماع حدیث متواتر کی طرح قطعی ہوتا ہے۔ تیسری قسم کا اجماع حدیث مشہور کی طرح ہے جس سے علم طائیت حاصل ہوتا ہے لیکن علم یقین حاصل نہیں ہوتا اور چوتھی قسم کا اجماع جو اسلاف کے کسی ایک قول پر ہوتا ہے مجمع خبر واحد کی طرح ہے جس سے عمل واجب ہوتا ہے لیکن علم واجب نہیں ہوتا۔

نوٹ: فقہ میں اہل رائے اور مجتہدین کا اجماع معتبر ہوتا ہے عام لوگوں محض علم کلام سے تعلق رکھنے والے اہل رائے محدث کا اجماع معتبر نہیں ہے جسے اصول فقہ میں بصیرت حاصل ہو۔ سوال نمبر ۱۹: اجماع کی کوئی اور تقسیم بھی ہے اگر ہے تو اس کی وضاحت کریں؟ جواب: اجماع دو طرح کا ہوتا ہے ایک کو اجماع سندی کہتے ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے ایک زمانے کے سب علماء کا اجماع اس کی چار قسمیں ہیں جن کا ذکر ہو چکا اور دوسرا اجماع مذہبی اجماع کہلاتا ہے یعنی کسی حکم پر مجتہدین کا اجماع۔ اس اجماع کو دو قسمیں ہیں:

نمبر ۱: اجماع مرکب نمبر ۲: اجماع غیر مرکب۔

اجماع مرکب: جب کسی نئے پیدا ہونے والے مسئلے کے حکم پر مجتہدین متفق ہو جائیں لیکن حکم کی علت میں ان کے درمیان اختلاف ہو تو یہ اجماع مرکب ہے اس کی مثال یہ ہے کہ جب کسی شخص کو تھے آئی اور اس نے عورت کو ہاتھ بھی لگایا تو اسلاف اور شوافع دونوں کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا اگرچہ ہمارے نزدیک اس کی علت تھے کہ نا اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عورت کو ہاتھ لگانا ہے۔

سوال نمبر ۲۰: کیا کسی اس اجماع کی جمیعت ختم بھی ہو سکتی ہے؟

جواب: اگر حالتوں میں منسا و ظاہر ہو جائے تو اس کی جمیعت ختم ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اگر کسی دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے کہ قے ناقض وضو نہیں ہے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر ثابت ہو جائے کہ عورت کی ہاتھ لگانا وضو کو نہیں توڑتا تو

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دشواریوں نے لگاؤ کی اس صورت میں علت جس پر حکم کی بنیاد ہے
 فاسد ہو جاتی ہے اور اس فساد کا احتمال دونوں طرف رہتا ہے کیونکہ ممکن ہے امام بخاری صحت
 کو مانعہ لگانے کے مسئلہ میں حق پر ہوں لیکن قے والے مسئلہ میں ان کا اجتہاد صحیح ہو لیکن امام
 شافعی مسئلہ قے میں حق پر ہوں لیکن اتقوا لگانے والے مسئلہ میں ان کا اجتہاد صحیح نہ ہو لیکن یہاں
 یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ اس صورت میں یہ باطل پر اجماع ہے کیوں کہ فساد کا بعض احتمال اور وہ ہم ہے
 جب کہ ایک حکم شرعی یعنی وجوب وضو پر دونوں نثری کا اتفاق امر حقیقی ہے۔ بخلاف حکام یہ ہے کہ
 جس چیز پر اس اجماع کی بنیاد ہے اور علت ہے جب اس میں فساد ظاہر ہو جائے تو یہ اجماع
 ختم ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ جب قاضی نے کسی مقدمہ کے بارے میں فیصلہ کیا پھر ظاہر ہوا کہ گواہ
 غلام نصر یا انھوں نے شہادت سے رجوع کر کے اپنا جھوٹا ہونا واضح کر دیا ہے تو یہ فیصلہ باطل
 ہو جائے گا اگرچہ مدعی کے حق میں یہ باطل نہیں ہوگا۔

سوال نمبر ۱۸۱۔ یہ بات کہ فیصلے کا باطل ہونا مدعی کے حق میں ظاہر نہیں ہوگا اس کا کیا مطلب
 ہے۔ وضاحت کیجئے؟

جواب : یہ ایک سوال کا جواب ہے اور وہ یہ کہ ہم اس بات کو نہیں مانتے کہ جب مال کے ساتھ
 فیصلہ کیا گیا تو اس صورت میں باطل ہو جائے گا کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو مدعی پر لازم ہوتا کہ وہ مدعی علیہ
 کو مال واپس کر دے۔ اس کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ فیصلہ مدعی علیہ اور گواہوں کے حق میں
 باطل ہو گا تاکہ مدعی علیہ سے نقصان کو دور کیا جائے اور گواہوں کو تنہم ہو سکے لہذا اگر گواہوں پر
 ضمان واجب ہوگی کیونکہ انہوں نے جھوٹ بول کر مدعی علیہ کا مال ضائع کیا اب یہ مال گواہوں
 سے لے کر مدعی علیہ کو دیا جائے گا لہذا مدعی کے حق میں فیصلہ باطل نہیں ہوگا اور اس سے
 رقم واپس نہیں لی جائے گی۔

چونکہ علت کے فساد کی بنا پر اجماع ختم ہو جاتا ہے لہذا زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں
 سے وہ مسلمان نکل جائیں گے جنہیں ان کی ایمانی کمزوری کی وجہ سے تالیف قلوب کے لیے زکوٰۃ

دی جاتی تھی کیونکہ اب اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا اور نصرتِ اسلام جو ان کو رکھنے کی عادت تھی ختم ہو گئی اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کو حصولِ نصرت کے لیے غنیمت سے حصہ دیا جاتا تھا اب غلبہ اسلام کے بعد چونکہ یہ عادت باقی نہ رہی لہذا ان کو بھی غنیمت میں سے پانچواں حصہ نہیں دیا جائے گا۔

اسی طرح ایک مثال سر کے ساتھ ناپاک کپڑے کو دھونا ہے یعنی جب ناپاک کپڑے کو سر کے سے دھویا جائے تو سر نہایت دور ہو جائے تو اس جگہ کی طہارت کا حکم دیا جائے گا کیونکہ عادت یعنی وجودِ نجاست ختم ہو گئی جب ثابت ہوا کہ طہارت کی عادت زوالِ نجاست سے ہے اور چونکہ سر کو نجاست کو دور کرتا ہے لہذا اس سے نجاست حقیقی تو دور کی جاسکتی ہے اور وہ جگہ پاک بھی ہو جائے گی لیکن اس سے نجاست محکم یعنی حدیث کو دور نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اس طہارت کی عادت زوالِ نجاست سے نہیں ہے جب کہ سر کو نجاست حقیقی کو دور کرتا ہے۔ نجاست محکم سے طہارت کے حصول کے لیے شریعت نے زوالِ نجاست نہیں بلکہ استعمالِ مطہر کو ضروری قرار دیا ہے اور وہ پانی ہے لہذا وضو اور غسل کے لیے پانی یا جو اس کی طرح مطہر ہو ضروری ہے۔ سر کے سے وضو یا غسل جائز نہیں۔

سوال نمبر ۱۸۲: اجماع مرکب کی ایک قسم ”عدم القائل بالفصل“ ہے اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب: عدم القائل بالفصل کا مطلب یہ ہے کہ جب اختلافی مسئلوں میں سے ایک ثابت ہو جائے تو دوسرا بھی لازمًا ثابت ہو جائے کیونکہ دونوں میں فرق کا کوئی قائل نہیں یعنی یا تو مخالف کے نزدیک یہ دونوں مسئلے ثابت ہوں گے یا دونوں ثابت نہیں ہوں گے تیسری کوئی حدیث نہیں لہذا جب اس نے ایک کو ثابت کیا تو دوسرا خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

سوال نمبر ۱۸۳: عدم القائل بالفصل کی اقسام بیان کریں اور مثالیں دیں؟

جواب: عدم القائل بالفصل کی دو قسمیں ہیں (۱) دونوں مسئلوں کا منشا و اختلافی

ایک ہر (ط) دونوں کا انتشار اختلاف الگ الگ ہو۔

پہلا اجماع حجت ہے دوسرا حجت نہیں۔

پہلی قسم کی مثال : وہ فقہی مسائل ہیں جو فقہاء کرام نے ایک مایط سے ثابت کئے ہیں مثلاً قاعدہ یہ ہے کہ تصرفات شرعیہ سے نفی ان کی تاکید کو مستلزم ہے تو قربانی کے دن روزہ رکھنے کی نذر ماننا بھی صحیح ہے اور بیع فاسد سے ایک بھی حاصل ہو جاتی ہے یعنی یہ دونوں مسئلے ایک ہی قاعدے کے مطابق ہیں اسی طرح جب ہمارے نزدیک یہ قاعدہ صحیح ہے کہ تعلق بشرط کے پائے ہائے پر جب نفی ہے تو طلاق اور شقاق کو نکاح یا سبب ملک سے معلق کرنا صحیح ہے اور جب ہم نے ثابت کیا کہ اگر کسی ایسے موصوف پر اس کی صفت کے ساتھ حکم لگایا جائے تو ضروری نہیں کہ اس کی تعلق میں بھی صفت کا لحاظ رکھا جائے تو آزاد عورت سے نکاح کی طاعت حاصل ہونا لڑکی سے نکاح کے جواز کے خلاف نہیں جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ شرط اسی قاعدے کے تحت ثابت کی ہے اور اسی طرح جب اسی قاعدے سے آزاد عورت سے نکاح کی طاعت کے باوجود مسلمان لڑکی سے نکاح صحیح ہے تو کہ یہ لڑکی سے بھی جائز ہو گا کیونکہ ماننے والے بھی دونوں کو مانتے ہیں اور نہ ماننے والے بھی دونوں کا انکار کرتے ہیں دونوں میں فرق کا کوئی قائل نہیں۔

دوسری قسم کی مثال : یہ ہے کہ جب قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو بیع فاسد سے بھی ایک حامل ہوگی کیونکہ جن کے نزدیک قے ناقض وضو ہے وہ بیع فاسد سے ملک کا حصول بھی مانتے ہیں اور ہر ایک کو نہیں مانتے وہ دوسرے کو بھی نہیں مانتے تیسری صورت کا کوئی قائل نہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ قتل عمد سے قصاص لازم ہوتا ہے اور قے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا یہ کہ قے ناقض وضو نہیں اور عورت کو ہاتھ لگانا ناقض وضو ہے جن صورتوں میں انتشار اختلاف مختلف ہے۔

اجماع مرکب عدم القائل یا متصل تکثر قسم اس

حجت نہیں کہ فرع یعنی قے کے ناقض وضو ہونے کی حجت اصل یعنی غیر سبیلین سے نکلنے والی بجا

ماقصہ ہے کہ صحیح ہونے کو چاہتی ہے لیکن اس کے کسی دوسرے اصل کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا جس سے دوسرا مسئلہ متفرع ہو۔

ضرورت قیاس اور اہمیت نص

سوال نمبر ۱۸۴۔ کسی مجتہد کے لیے قیاس کو اختیار کرنا کجا جائز ہے نیز نص کی کیا اہمیت ہے؟
جواب: جب کسی نوید مسئلے کا حکم معلوم کرنا ہو تو مجتہد پر واجب ہے کہ سب سے پہلے قرآن پاک سے تلاش کرے کیونکہ یہ کلام ربانی ہے اور اپنی قطعیت کی بنیاد پر تمام دلائل سے زیادہ قوی ہے اگر قرآن پاک سے وہ حکم ملے تو سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرے قرآن و سنت کی واضح جماعت حاصل ہو یا دلالت اور اشارے سے مسئلہ معلوم ہو بہر صورت جب تک نص پر عمل کرنا ممکن ہو رہے ہے عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص کو قید کے بارے میں اشتباہ ہو جائے اور کوئی شخص اسے خبر دے تو اسے خبر پر عمل کرنا ہو گا غور و فکر کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو پانی ملا اور کسی مستتر شخص نے بتایا کہ یہ پانی ناپاک ہے تو اس کے لیے وضو کرنا جائز نہیں بلکہ تیمم کرے یعنی یہ خبر اس کے دل سے اٹھنے پر مقدم ہوگی

سوال نمبر ۱۸۵۔ اس مذکورہ قاعدے کے مطابق شبہ فی الظن سے شبہ بالمثل زیادہ قوی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر شبہ بالمثل پایا جائے تو ظن کا اعتبار ساقط ہو جائے گا اس بات کی وضاحت کریں؟

جواب: اس کی وضاحت ایک مثال سے کی گئی ہے جو یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے بیٹے کی لڑکی سے جماع کیا تو اس پر حد نہیں لگے گی اگرچہ وہ کہے کہ میں جانتا ہوں یہ مجھ پر حرام ہے یا اسے اس بات کا شبہ ہو کہ یہ لڑکی اس کی ملک ہے اور یہ شبہ ایک نص کی وجہ سے ثابت ہوگا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "أنت و ما لک منک یبطل" گویا کہ اس نے یہ بھانپ لیا کہ لڑکی میری ملک ہے۔ دوسری طرف اس کا گمان ہے کہ یہ مجھ پر حلال ہے یا حرام ہے تو خود کہ

یہ دوسرا شعبہ اس کی اپنی رائے سے پیدا ہوا اور پہلا شعبہ یعنی لونڈی کا مالک ہونا اور یہی شعبہ
باجل ہے۔ نقص سے ثابت ہوا اور چونکہ نقص کو رائے پر ترجیح حاصل ہے لہذا اس شعبے کا اعتبار
کرتے ہوئے اس پر حذر نہیں لگائی گئے۔

اور اگر بیٹے نے باپ کی لونڈی سے جملعہ کیا تو حلال اور حرام ہونے کے سلسلے میں اس کے
گمان کا اعتبار ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر اس نے کہا کہ میرے خیال میں یہ مجھ پر حرام ہے تو حذر واجب
ہوگی اور اگر کہا کہ میں نے اسے حلال سمجھا تو حذر واجب نہیں ہوگی کیونکہ یہاں باپ کے مال میں
اس کی ملکیت کا شعبہ نقص سے ثابت نہیں ہوا لہذا اس کی رائے کا اعتبار کیا گیا۔ البتہ یہاں
بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا جب کہ پہلی صورت میں بچے کا نسب ثابت ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر ۱۸۶: جب دو دلیلوں میں تعارض آجائے تو کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا؟
جواب: اگر دو آیتوں میں اس طرح تعارض آجائے کہ کسی ایک کو ترجیح حاصل نہ ہو تو سنت کی
طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر دو حدیثوں میں اسی قسم کا تعارض پیدا ہو جائے تو آثار صحابہ اور
قیاس مجمل کی طرف رجوع کریں گے پھر جب مجتہد کے نزدیک دو قیاس متعارض ہو جائیں تو وہ غور و فکر
کے ایک پر عمل کرے کیونکہ قیاس کے نیچے کوئی دلیل شرعی نہیں ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے۔
یہی وجہ ہے کہ ہم کہتے ہیں جب مسافر کے پاس پانی کے دو برتن ہوں ایک پاک اور دوسرا ناپاک تو میں
میں غور و فکر نہ کرے بلکہ تمیم کرے اور اگر اس کے پاس دو کپڑے ہوں ایک پاک اور دوسرا ناپاک تو
ان میں غور و فکر کرے کیونکہ پانی کا بدلہ ہے اور وہ مٹی ہے لیکن کپڑے کا کوئی ایسا بدل نہیں ہے
جس کی طرف رجوع کیا جائے پس ثابت ہوا کہ رائے پر اس وقت عمل کیا جائے گا جب کوئی دوسری
دلیل شرعی نہ ہو۔

سوال نمبر ۱۸۷: اگر غور و فکر کو عمل کے ساتھ تاکید حاصل ہو جائے تو وہ محض غور و فکر سے نہیں
توڑتا اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب ایک مرتبہ غور و فکر پر عمل کر لیا گیا تو اسے مؤکد ہونے کی وجہ

سے پہلے فوراً فکر سے حاصل ہونے والی صورت کی بنیاد پر نہیں چھوڑا جائے گا مثلاً دو کپڑوں میں طور و فکر کی صورت ایک کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھ لی پھر عصر کے وقت فوراً فکر سے دوسرے کپڑے کا پاک ہونا معلوم ہوا تو عصر کی نماز دوسرے کپڑے سے پڑھنا جائز نہیں کیونکہ پہلی بار کا فوراً فکر عمل کی وجہ سے مؤثر ہو چکا ہے لہذا محض سوچ و چارہ اسے باطل نہیں کہے گی۔

سوال نمبر ۸۸۔ اگر قبلہ کے بارے میں سوچ و چارہ کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے بعد سوچ بدل جائے تو دوسری سوچ کے مطابق عمل کرنا پڑے گا جب کہ پہلی صورت میں ایسا کرنا جائز نہیں اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

جواب۔ چونکہ قبلہ ان چیزوں میں سے ہے جن میں انتقال کا احتمال ہے لہذا یہاں حکم دوسری سوچ کی طرف منتقل ہو سکتا ہے اور یہ ایسے ہی ہے کہ جس طرح نصیٰ نسخ ہو جائے گویا جہاں انتقال کا احتمال ہے وہاں نقل حکم ممکن ہے اسی ضمن میں جامع کبیر میں تکبیرات عیدین کا ذکر ہے مثلاً امام نے عید کی نماز شروع کی اور اس کے خیال میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ تکبیرات صحیح تھیں اس نے اسی طرح نماز پڑھ لی پھر اس کے خیال میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ تکبیرات صحیح قرار پائیں تو آئندہ اس کے مطابق عمل کر سکتا ہے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہو گیا۔

قیاس

سوال نمبر ۸۹: قیاس کا لغوی اور شرعی معنی بیان کیجئے نیز بتائیے کہ اس پر عمل کب کیا جاتا ہے؟

جواب: قیاس کا لغوی معنی اندازہ لگانا ہے اور اصطلاح شرع میں کسی حکم کو اصل سے ذریعہ کی طرف لے جانا ایسی علت کی بنیاد پر جو دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ قیاس ایک شرعی دلیل ہے اور کسی مسئلے میں اس پر عمل اس وقت واجب ہوگا جب اس سے اوپر کی کوئی دلیل نہ پائی جاسکے۔

سوال نمبر ۹۰: کیا قیاس حدیث رسول اور آثار صحابہ و تابعین سے ثابت ہے؟

جواب: جی ہاں! قیاس حدیث سے ثابت ہے اور اس سلسلے میں صحابہ کرام اور تابعین کی روایات بھی ملتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا اے معاذ! کس چیز کے ساتھ فیصلہ کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا اللہ کی کتاب سے۔ آپ نے فرمایا اگر نہ پاؤ، انہوں نے عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے۔ آپ نے فرمایا اگر نہ پاؤ، انہوں نے عرض کیا اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فیصلے کو صحیح قرار دیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے فائدے کو اپنی پسندیدہ بات کی توفیق عطا فرمائی۔

اسی طرح شمیمہ عورت نے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرا باپ بوڑھا ہے اور اس پر تنہا فرہنگ ہو چکا ہے لیکن وہ سواری پر چڑھ نہیں سکتا اگر میں اس کی طرف سے حج کروں تو کافی

ہوگا، حضور علیہ السلام نے فرمایا تاؤ اگر تمہارے باپ پر قرض ہو اور تم اسے ادا کر دو تو وہ کفایت نہیں کرے گا، اس نے عرض کیا کہ ضرور کرے گا آپ نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ کا قرض اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ اس حدیث میں آپ نے فیح فانی کے حق میں حج کو حقوق مالہ پر قیاس کیا اور ایک ایسی علت کی طرف اشارہ کیا جو جواز میں موثر ہے یعنی قرض کی ادائیگی اور یہی قیاس ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے ایک عظیم شاگرد ابن مبارک اپنی کتاب الشامل میں حضرت قیس بن طلحہ بن علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص جو بدوی معلوم ہوتا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی اس شخص کا کیا حکم ہے جو وضو کرنے کے بعد اپنے عضو مخصوص کو ہاتھ لگاتا ہے آپ نے فرمایا وہ بھی اس کے جسم کا ایک ٹکڑا ہے گویا آپ نے جسم کے دوسرے اعضاء پر قیاس کیا اور بتایا کہ جس طرح دیگر اعضاء کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس کو چھونے سے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا۔ قیاس کے سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ہے کہ آپ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور ہر مقرر نہیں کیا پھر جامع سے پہلے وہ مر گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک بیٹے کی ہلاکت مانگی پھر فرمایا میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اگر وہ صحیح ہوا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہوا تو اللہ تعالیٰ کے بیٹے (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کی طرف سے ہوگا آپ نے فرمایا اس کے لیے ہر مثل ہے نہ اس سے کم ہو نہ زیادہ۔

صحیح قیاس کی شرائط

سوال نمبر ۱۹۱: قیاس کے صحیح ہونے کی کتنی اور کون کون سی شرائط ہیں؟
جواب: صحیح قیاس کی پانچ شرطیں ہیں:

۱۔ نقص (قرآن و سنت) کے مقابلے میں نہ ہو۔

۲۔ اسی سے نقص کا کوئی حکم تبدیل نہ ہو جائے۔

۳۔ اصل سے فرع کی طرف جانے والا حکم عقل کے خلاف نہ ہو۔

۴۔ تحلیل کسی شرعی حکم کے لیے ہو غوی بات کے لیے نہ ہو۔

۵۔ فرع کے لیے کوئی نقص وارد نہ ہوئی ہو۔

سوال نمبر ۱۹۲: ان پانچوں شرائط کی مثالیں پیش کریں؟

جواب: پہلی مشروط: معنی قیاس نقص کے مقابلے میں نہ ہو۔ اس شرط کے نہ پائے جانے کی مثال یہ ہے کہ حضرت عین بن زیاد رحمہ اللہ سے غازی میں قہقہہ لگانے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ سائل نے کہا اگر کوئی شخص غازی میں پاکوہن عورت پر الزام لگائے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا حالانکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے تو قہقہہ لگانے سے وضو ٹوٹے گا جب کہ یہ اس سے کم درجے کا گناہ ہے تو اس شخص کا یہ قیاس ایک نقص کے مقابلے میں ہے اور وہ اس امر کی والی حدیث ہے جس کی آنکھ میں کچھ غمراہی تھی اور یہ حدیث سنت کی بحث میں گزر چکی ہے۔ اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ جب عورت عہر کے ساتھ حج پر جا سکتی ہے تو قابل اعتماد عورتوں کے ساتھ جانا جائز ہوگا تو یہ قیاس بھی ایک نقص کے مقابلے میں ہے اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی ایسی عورت کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو تو میں دن اور رات کا سفر جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ اس کے ساتھ اس کا باپ یا خاوند یا کوئی محرم ہو۔

دوسری مشروط: کے نہ پائے جانے کی مثال یہ ہے کہ تیمم پر قیاس کرتے ہوئے وضو میں نیت کی شرط کا قول آیت تیمم کو اطلاق سے تنقید میں برتنے کا باعث ہے گویا یہ قیاس ہے جو نقص کے احکام میں سے کسی حکم کو بدل رہا ہے اسی طرح جب حدیث شریف کی روایت میں کہا جائے کہ چونکہ طواف غازی ہے لہذا اس کے لیے طہارت اور ستر عورت شرط ہوگا تو یہ

ایسا قیاس ہے جو طواف کے بارے میں نص یعنی "وَلْيَسِّرُوا فَوَافِ الْاَيْتِ الْاَيْتِشِ بِالْمَقْلُوبِ" سے مستفید بنانا ہے لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔

تیسری مشروط کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی معتقد کھجوروں کے میز پر قیاس کرتے ہوئے دیگر بنیزوں (پھلوں کے رسوں) سے وضو جائز قرار دے تو یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ حقیقتاً پانی نہ ہونے کی وجہ سے پھلوں کے رس سے وضو نہ قیاس کے خلاف ہے اور جو چیز قیاس کے خلاف ثابت ہو اس پر دوسری بات کو قیاس نہیں کیا جاسکتا لہذا کھجوروں کے رس سے وضو کرنا جو کہ خلاف قیاس نص سے ثابت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی نہ پانے کی صورت میں اس سے وضو فرمایا تو اس پر دوسرے پھلوں کے بنیزوں کو قیاس کرتے ہوئے وضو جائز قرار نہیں دیا جائے گا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ بے وضو ہونے کی صورت میں سترے سر سے نماز شروع کرنے کی بجائے پہلے ٹھیک لگی رکعت پر بنا کی جاسکتی ہے تو چونکہ یہ مسئلہ خلاف قیاس نص سے ثابت ہے لہذا نماز میں کوئی شخص زعمی ہو جائے یا اسے اعتقاد ہو تو وہ بنا نہیں کر سکتا کیونکہ اصل یعنی جس پر قیاس کیا جاتا ہے وہ غیر معقول ہے۔

بعض شافعی علماء فرماتے ہیں چونکہ پانی دو ٹپے (شکلے) ہو جائے تو نجاست گرنے سے ناپاک نہ ہوگا لہذا اگر دو ناپاک شکلوں کا پانی یکجا کیا جائے تو وہ بھی ناپاک نہ ہوگا۔ ہم کہتے ہیں یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ اگر اصل یعنی دو شکلوں کے برابر پانی کا ناپاک نہ ہونا ثابت بھی ہو تو یہ غیر معقول ہے لہذا اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

چوتھی مشروط کی مثال یہ ہے کہ چونکہ شراب کو خمر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے لہذا بطور نصف شراب کی ایک قسم کو خمر کہا جائے کیونکہ وہ بھی عقل کو زائل کر دیتی ہے اور چونکہ چور کو سارق اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ خفیہ طور پر دوسروں کا مال حاصل کرتا ہے لہذا اس معنی کی بنیاد پر کفن چور کو بھی سارق کہا جائے لیکن یہ قیاس صحیح

نہیں کیونکہ یہ نفقہ کی بنیاد پر قیاس ہے حالانکہ طبعی منصف (شراب کی ایک قسم) اور کلن پور کے یہ نام وضع نہیں کیے گئے اگر نفقہ کی بنیاد پر قیاس صحیح ہوتا تو عرب کے لوگ جس طرح سیاہ گھوڑے کو "ادھم" اور سرخ گھوڑے کو "کیت" کہتے ہیں اسی طرح وہ دنگی کو سیاہ رنگ کی وجہ سے ادھم اور سرخ گھوڑے کو کیت کہتے حالانکہ وہ ایسا نہیں کرتے لہذا قیاسی حکم شرعی کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ لغوی معنی کے اعتبار سے نہیں۔ اگر لغوی ناموں کا اعتبار کرتے ہوئے قیاس کیا جاتا تو اس علت کی وجہ سے ان چیزوں کے یہ نام رکھے جاسکتے۔

اس قیاس کے صحیح نہ ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا سبب شرعیہ کو باطل کرنا لازم آتا ہے اور وہ یوں کہ شریعت نے سرقہ (چوری) کو ایک حکم دیا تھا کاٹنے بکھانٹنے قرار دیا ہے اگر ہم اس حکم کو کسی ایسی بات سے متعلق کریں جو سرقہ سے عام ہے یعنی مخفیہ طور کسی کا مال حاصل کرنا، تو ثابت ہوگا کہ کاٹنے کا سبب سرقہ نہیں بلکہ کوئی دوسرا سبب ہے اسی طرح شراب نوشی ایک خاص حکم کا سبب ہے تو اگر ہم کسی عام بات سے اس حکم کو متعلق کریں تو ظاہر ہوگا کہ یہ سزا شراب نوشی کے علاوہ کسی دوسری بات سے تعلق رکھتی ہے۔

پانچویں مشروط کی مثال: اگر کوئی شخص کفارہ قتل پر قیاس کرتے ہوئے کہے کہ قسم اور ظہار کے کفارہ میں کافر غلام کو آزاد کرنا جائز نہیں تو یہ قیاس غلط ہے کیونکہ کفارہ قتل کے بارے میں غلام کے مومن ہونے کی شرط ہے "فتحریر دحبہ مومنہ" جب کہ قسم اور ظہار کے بارے میں نقص مطلق ہے لہذا کفارہ قتل پر قیاس کرنے کی صورت میں دوسری نقص یعنی مطلق کا ابطال لازم آئے گا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ اگر ظہار کا کفارہ روزے رکھنے کی صورت میں ادا کیا جارا ہو تو درمیان میں جماع نہیں کر سکتا اگر کر لیا تو نئے سرے سے روزے شروع کرے یہ نقص سے ثابت ہے اب اس پر قیاس کرتے ہوئے کھانا بھلانے کی صورت میں کفارہ ادا کرنے والے کو کھانا بھلانے کے دوران جماع سے روکا جائے تو یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ اس سلسلے میں بھی نقص موجود ہے اور وہ

مطلق ہے لہذا روزوں پر قیاس کی صورت میں اس نص میں تغیر لازم آئے گا۔

یسری مثال یہ ہے کہ تمتع کرنے والا اگر قربانی کا جانور نہ پائے تو روزوں کے ذریعے لوہم سے نکل سکتا ہے۔ اہل شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس پر قیاس کرتے ہوئے اس شخص کو جو تمتع کرنے سے کسی رکاوٹ کے باعث ترک گیا (محضر) وہ بھی قربانی کا جانور نہ پانے کی صورت میں روزے رکھ سکتا ہے لیکن احناف کے نزدیک یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ فرع یعنی محضر کے بارے میں بھی نص درج ہے اور وہ ارشاد خداوندی ہے ”وَلَا تَعْلَقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ“ لہذا محضر کے لیے قربانی پیش کرنا لازمی ہے۔

ایک اور مثال یہ ہے کہ چونکہ رمضان المبارک میں کسی وجہ سے روزے نہ رکھنے والا بعد میں قضا کرتا ہے لہذا اس پر قیاس کرتے ہوئے تمتع کو بھی اجازت ہے کہ اگر وہ ایام تشریق میں روزے نہ رکھ سکے تو بعد میں رکھے لیکن یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ فرع کے بارے میں باقاعدہ نص پائی جاتی ہے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے آپ کے ماسنے ایک شخص نے کہا کہ میں نے تمتع کیا لیکن روزے در رکھ سکا حتیٰ کہ عرفہ کا دن گزر گیا آپ نے فرمایا: تم پر قربانی لازم ہے اس نے کہا مجھے طاقت نہیں آپ نے فرمایا اپنی قوم سے مانگو، اس نے عرض کیا یہاں میری قوم کا کوئی فرد نہیں آپ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اسے ایک بکری کی قیمت دو، تو یہ نص ہے جس سے ثابت ہے کہ ایسے شخص کو قربانی ہی دینا ہوگی روزے نہیں رکھ سکتا اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صحابی تھے لہذا ان کا قول حدیث ہونے کی بنیاد پر نص ہے۔

سوال نمبر ۱۹۳: قیاس شرعی کی تعریف کریں اور بتائیں کہ جس معنی کو علت بنا کر قیاس کیا جاتا ہے اس کا علت ہونا کیسے معلوم کیا جاتا ہے؟

جواب: قیاس شرعی ہے کہ کسی مخصوص علیہ کے حکم کو اس معنی کی بنیاد پر جو اس حکم کے لیے علت بنتا ہے غیر مخصوص کے لیے ثابت کیا جائے اس معنی کا علت ہونا قرآن پاک، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، اجماع اور اجتہاد و استدلال سے ثابت ہوتا ہے۔

سوال نمبر ۱۹۲: قرآن پاک سے کبھی معنی کے علت بننے کی کچھ مثالیں پیش کریں؟
 جواب: قرآن پاک میں نجوم اور غلاموں کو تین اوقات نماز فجر سے قبل، دوپہر اور غمازہ
 شام کے بعد کے علاوہ گھروں میں آنے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہیں کیونکہ انہوں نے
 بندہ بار آنا ہوتا ہے لہذا اجازت لینے سے وہ حرام میں پڑ جائیں گے۔

ارشاد خداوندی ہے: "یس علیک ولا علیہم جہام بعد من خوا فون علیک
 بعضکم علی بعض یہاں جہام کو دور کرنا، اجازت کے بغیر آنے کی علت ہے۔ اس علت
 کی بنیاد پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابلی ناپاک نہیں کیونکہ وہ تمہارے پاس آنے
 جانے والوں (غلاموں) اور آنے جانے والوں (رہنماؤں) کی طرح ہے یوں آپ نے
 اس کا جھوٹا محض کر وہ قرار دیا۔

پھر ہمارے ائمہ کرام نے اسی علت یعنی عدم جہام کی وجہ سے گھروں میں رہنے والے
 محشرات الارض سانپ چوہے وغیرہ کے جھوٹے کو بی کے جھوٹے پر قیاس کرتے ہوئے محض
 مکر وہ قرار دیا ناپاک نہیں فرمایا کیونکہ یہ بھی ہر وقت گھر میں آتے جاتے ہیں۔
 دوسری مثال یہ ہے کہ مسافر اور مریض کو روزہ چھوڑنے کی اجازت آسانی پیدا کرنے
 کے لیے دی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم
 العسر" گویا انہیں جس طرح آسانی ہو عمل کریں روزہ رکھنا آسان سمجھیں تو اب رکھ لیں
 روزہ بعد میں قضا کریں اسی بنیاد پر ہمارے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر مسافر
 رمضان المبارک میں کسی دوسرے واجب روزہ کی نیت کرے تو وہی ہوگا کیونکہ اس کے لیے
 آسانی یہ ہے کہ وہ اس کو پورا کرے جو اس پر پہلے سے لازم ہے رمضان کا روزہ بعد میں رکھا
 ہو سکتا ہے کہ رمضان شریف کے بعد دوسرے دن نہ پاس کے تو لازم بھی نہ ہوگا لہذا جب اسے
 ہر فی بہتری کے لیے رمضان المبارک کا روزہ چھوڑنے اور بعد میں قضا کرنے کی اجازت ہے تو
 دینی مفاد کے لیے بھی اجازت ہوگی یعنی جو کچھ اس پہلے سے لازم ہے اس کے بعد برآ ہو جائے

سوال نمبر ۱۹۵۔ سنت۔ نے والی علت کی کچھ مثالیں پیش کیجئے؟

جواب: سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لیس الوضوء من نام قاضا اور قاعدا اور اکھا اور مساجدا انما الوضوء من نام مضطربا ماناذا اذا نام مضطربا استروخت مفاصلہ جو شخص کھڑے بیٹھے، رکوع یا سجدے کی حالت میں سو جائے اس پر وضو واجب نہیں وضو اس شخص پر ہے جو پہلو کے بل لیٹ جائے کیونکہ اس کے جوڑے ٹھیک پڑ جاتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعضاء کے ڈھیلا پڑھنے کو وضو ٹوٹنے کی علت قرار دیا ہے اسی علت کی بنیاد پر یہ حکم نیکہ لگا کر یا کسی ایسی چیز کے سہارے سو جانے سے جس سے وہ گر پڑے، کی طرف متعدی ہو گا یعنی چونکہ ان صورتوں میں بھی اعضاء ڈھیلا ہو جاتے ہیں لہذا بطور قیاس وضو ٹوٹنے کا حکم دیا جائے گا۔ نیز بیہوشی اور نشے کی حالت میں بھی اعضاء ڈھیلا پڑ جاتے ہیں لہذا ان صورتوں میں بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ حضرت خاٹمِ نبوت انبی ہمیش رضی اللہ عنہا کو استحاضہ کا خون آتا تھا تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا وضو کر کے نماز پڑھ لیا کہ وہ اگرچہ چٹائی پر خون کے قطرے گرے یہاں ہر نماز کے لیے وضو کرنا اس بنیاد پر تھا کہ خون مسلسل جاری تھا اسی علت یعنی خون کے آنے کی بنیاد پر لگ کر لگوانے اور نشتر لگوانے کی صورت میں ہر نماز کے لیے وضو کرنا ضروری ہوا۔

سوال نمبر ۱۹۶۔ اجماع سے معلوم ہونے والی علت کی کچھ مثالیں پیش کریں؟

جواب: باپ بچے کا اس لیے ولی ہوتا ہے کہ بچہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے خود تصرف نہیں کر سکتا چونکہ یہ علت (چھوٹا ہونا) لڑکی میں بھی پائی جاتی ہے لہذا باپ کی ولایت کا حکم اس کے لیے بھی ثابت ہو گا اور بچہ بالغ ہو جائے اور اس کی عقل کامل ہو جائے تو یہ ولایت ختم ہو جاتی ہے اسی علت یعنی بلوغت کی بنیاد پر لڑکی بھی بالغ ہونے کے بعد خود مختار ہوتی

ہے اور باپ کی ولایت ختم ہو جاتی ہے اور جس طرح خون کا جلدی ہونا مستحکم کی طہارت
 ٹوٹنے کی علت ہے اسی طرح سلسل البول اور دائمی نکسیرے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے اور ان
 بیماریوں کی وجہ سے ہر نماز کے لیے وضو واجب ہوگا۔
 سوانح ۱۹۷۷ء: کبھی فرع کا حکم، اصل کے حکم کی نوع سے ہوتا ہے اور کبھی اس کی جنس
 سے، اس بات کی وضاحت کیجئے؟

جواب: تعدی کے اعتبار سے قیاس کی دو قسمیں ہیں:
 ۱۔ فرع کا حکم اصل کے حکم کی جنس سے ہو گا؛ حکم فرع حکم اصل کی نوع سے ہو گا۔
 نوع میں اتحاد کی مثال یہ ہے کہ چھوٹا ہونا لڑکے کے حق میں باپ کو نکاح کرنے کے
 اختیار کی علت ہے اسی علت کی بنیاد پر باپ کو لڑکی کے حق میں بھی ولایت نکاح حاصل ہو
 گی چاہے وہ لڑکی شیبہ ہی کیوں نہ ہو یہاں جنس یعنی باپ کا اختیار اور نوع یعنی نکاح کر
 کے دینا اصل اور فرع دونوں میں پائے جاتے ہیں اسی طرح گھڑ میں بکثرت آنا جاننا بلی کے
 جوڑھے کی نجاست کو ساقط کرنے کی علت ہے پس اسی علت کی بنیاد پر گھروں میں پائے
 جانے والے حشرات الارض کا جوڑھا بھی ناپاک نہیں ہو گا یہاں بھی جنس یعنی حرج اور نوع
 یعنی جوڑھے کا ناپاک نہ ہونا اصل اور فرع دونوں میں یکساں ہے اسی طرح لڑکے کے بالغ
 اور سمجھدار ہونے کی وجہ سے باپ کو حاصل شدہ نکاح کرنے کا اختیار زائل ہو جاتا ہے اسی
 علت کی بنیاد پر لڑکی سے بھی باپ کا یہ اختیار دور ہو جائے گی یہاں بھی جنس یعنی زوال ولایت
 اور نوع یعنی نفس میں اختیار اصل اور فرع میں برابر ہیں جنس میں اتحاد کی مثال یہ ہے کہ
 بار بار آنے جانے کی وجہ سے غلاموں اور لونڈیوں کے حق میں اجازت لینے کا حرج ساقط
 کر دیا گیا اور اسی علت کی بنیاد پر بلی وغیرہ کے جوڑھے کے ناپاک ہونے کا حرج بھی ساقط کر دیا
 تو یہاں فرع کا حکم اصل کے حکم کی جنس سے ہے نوع سے نہیں کیونکہ دونوں سقوط حرج میں تو
 مشترک ہیں لیکن ایک میں اجازت لینے کا حرج اور دوسرے میں جوڑھے کی نجاست کا حرج

سائنہ کیا گیا ہے یہاں دونوں مختلف ہیں اسی طرح چھوٹا بھنا باپ کے لیے مال میں تصرف کی علت ہے تو اسی بنیاد پر باپ کو نفس میں بھی تصرف حاصل ہو گا گویا جنس یعنی ولایت تصرف اصل اور فرع دونوں میں یکساں ہے لیکن نوع کے اعتبار سے اختلاف ہے کیونکہ اصل میں مال میں تصرف اور فرع میں نفس کے اندر تصرف کا پایا جانا ہے۔

سوال نمبر ۱۹۸: اگر فرع کا حکم، حکم اصل کی جنس سے ہو تو وہاں کس بات کا پایا جانا ضروری ہے؟

جواب: قیاس کی اس قسم میں علت کا جنس ہونا یعنی عرونی معنی لگایا جانا ضروری ہے مثلاً چھوٹی بچی کے مال میں باپ کو ولایت اس لیے حاصل ہے کہ وہ ذاتی طور پر تصرف نہیں کر سکتی لہذا شریعت نے باپ کو اختیار دیا تاکہ بچی کے مال سے متعلق امور معطل ہو کہ ذرہ جائیں اور چونکہ وہ اپنے ذاتی معاملات میں بھی تصرف کر سکتے ہیں لہذا اس کے باپ کو اس کے نفس میں تصرف کا اختیار بھی ہو گا گویا یہاں مجز بوجہ علت بنتی ہے مال اور جان دونوں سے متعلق ہونے کی وجہ سے عام ہے۔

سوال نمبر ۱۹۹: ان دونوں قسم کے قیاسوں میں فرق واضح کیجئے؟

جواب: نوع میں اتحاد کی صورت میں اگر مقیس (فرع) اور مقیس علیہ (اصل) میں فرق ہو تو اس سے قیاس کا حکم باطل نہیں ہوتا کیونکہ جب اصل اور فرع علت میں متحد ہو جائیں تو حکم واجب ہو جاتا ہے اگرچہ اس علت کے علاوہ ان میں تفریق ہو مثلاً کوئی شخص کے کرٹکے کے لیے باپ کو ولایت کے حصول سے شیعہ ٹرکی کے لیے باپ کی ولایت کا ثبوت لازم نہیں آتا کیونکہ شیعہ عورت سے زیادہ اہل ہونے کی صورت میں وہ بذات خود تعزیرات پر قائم ہے تو اس شخص کے جواب میں کہا جائے گا کہ چونکہ کرٹکے اور ٹرکی میں چھوٹا ہونے کی وجہ سے فرق ہو چکا ہے لہذا دونوں کا حکم ایک ہو گا۔ پس دوسرے دسٹ (مثلاً ٹرکی کے شیعہ ہونے) میں دونوں کے اختلاف سے قیاس میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

دوسری قسم کا قیاس اس وقت فاسد ہو جاتا ہے جب علت، دونوں (اصل و فرع) کو شامل نہ ہو اور دونوں میں خاص فرق بھی ہو۔ فرق خاص کی مثال یہ ہے کہ بچے کا چھوٹاپن اس بات کی علت ہے کہ باپ کو اس کے مال اور نفس میں تصرف کا اختیار حاصل ہے لیکن مال میں تصرف کے سلسلے میں چھوٹاپن زیادہ مؤثر ہے کیونکہ مال میں تصرف کی ضرورت عام ہوتی اور جان میں تصرف کی ضرورت کم پڑتی ہے گو یا جب دونوں میں سفر کی علت ہو یا ملت کی تاثیر دونوں میں مختلف ہوں تو قیاس صحیح نہ ہوگا۔

سوال نمبر ۲۰: رائے اور اجتہاد سے حاصل ہونے والی علت کی بنیاد پر قیاس کی وضاحت کریں اور مثال بھی دیں؟

جواب: اس کی وضاحت یوں ہے کہ مثلاً ہم کسی ایسے وصف کو پائش جو کسی حکم کے مناسب ہو اور اس سے پہلے اسی وصف کی بنیاد پر بطور اجماع کوئی حکم ثابت ہو چکا ہو تو یہ وصف غور و فکر اور اجتہاد کی بنیاد پر علت قرار پائے گا مثلاً ہم نے دیکھا کہ ایک شخص نے کسی فقیر کو ایک درم دیا تو غالب گمان یہ ہو گا کہ اس نے فقیر کی حاجت برآری اور حصول ثواب کے لیے دیا ہے جب یہ بات معلوم ہوگئی تو ہم کہتے ہیں جب کوئی وصف اجماع کے مقام پر حکم کی علت قرار دیا تو اب اسے کسی دوسرے حکم کی علت بنایا جاسکتا ہے اور سب کتاب و سنت اور اجماع سے دلیل ملے تو ظن غالب شرعی طور پر کسی عمل کو واجب کہہ دیتا ہے جیسے مسافر کو غالب گمان ہو کہ اس کے قریب ہی پانی ہو گا تو اس کے لیے تیمم جائز نہیں قبلہ کی سمت معلوم کرنے اور ایسی طرح دیگر مسائل جہاں غور و فکر ضروری ہے اسی قبیل سے ہیں۔

سوال نمبر ۲۱: اس قسم کا قیاس کب باطل ہوتا ہے؟

جواب: چونکہ اس قیاس کی علت غلبہ ظن کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے لہذا جب اصل اور فرع میں کوئی مناسب فرق پایا جائے تو یہ قیاس باطل ہو جاتا ہے اس وقت کسی دوسرے وصف کے پائے جانے سے حکم اس وصف کی طرف مضاف نہیں ہوتا لہذا قیاس باقی نہیں رہتا۔

چونکہ اس قسم کے قیاس میں علت کا تعلق ظن غالب سے ہوتا ہے لہذا یہ کم ترین درجہ کا قیاس ہوتا ہے یہی درجہ ہے کہ پہلی قسم کے قیاس یعنی موجب علت قرآن و سنت سے ثابت ہو، پر عمل ایسے ہی ہے جیسے گواہوں کی پاکیزگی اور عدالت ثابت ہونے کے بعد ان کی گواہی سے کوئی حکم ثابت ہو۔ دوسری قسم کے قیاس یعنی جب علت اجماع سے ثابت ہو، پر عمل ایسے گواہوں کی گواہی کی طرح ہے جب ان کا شہدہ کہ باقی ہو لیکن عدالت ثابت ہو جائے اور اجتہاد و استنباط سے معلوم علت کی بنیاد پر جو حکم ثابت ہوتا ہے اس پر عمل اس شخص کی شہادت کی طرح ہے جس کی عدالت اور فسق واضح ہو (یعنی وہ مستور الحال ہو)

قیاس پر اعتراضات

سوال نمبر ۲۰۲: قیاس پر کتنے اور کون کون سے اعتراضات وارد ہوئے ہیں؟

جواب: قیاس پر وارد ہونے والے اعتراضات آٹھ ہیں:

(۱) مانعت (۲) موجب علت کا قول (۳) قلب (۴) عکس (۵) نساد وضع

(۶) فرق (۷) نقض اور (۸) معارضہ۔

ممانعت: سوال نمبر ۲۰۳: مانعت کی وضاحت کریں اور کچھ مثالیں دیں؟

جواب: مانعت کا مطلب یہ ہے کہ معتل نے جو کچھ تعیل سے ثابت کیا ہے اس پر اعتراض

کیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں یا تو اس علت کو تسلیم نہ کیا جائے یا علت کو تسلیم کیا جائے

لیکن حکم کو نہ مانا جائے پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ شوافع کے نزدیک صدقہ فطر کے وجوب

کا سبب یوم فطر ہے لیکن احناف اس سبب کو نہیں مانتے بلکہ ان کے نزدیک اس کا سبب وہ

شخصیت ہے جو کسی کے پرورش میں رہتا ہے اس اختلاف کی بنیاد پر امام شافعی کے نزدیک

جو شخص عید کی رات کو مری جائے اس سے صدقہ فطر باقظ نہیں ہوگا۔ لیکن احناف کے نزدیک چونکہ

وہ شخص صدقہ فطر کے وقت یعنی عید کی صبح موجود نہیں تھا لہذا اس کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا

واجب نہیں ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے مسئلے میں اختلاف ہے وہ یوں کہ امام شافعی رحمہ اللہ

کے نزدیک صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ کی مقدار واجب ہے لہذا اگر نصابِ ہلاک بھی ہو جائے تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی بشرطِ کہ اس مال پر ایک سال گزر گیا ہو وہ اسے قرض پر قیاس کرتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک زکوٰۃ کی مقدار کا اس ضمن میں ہونا صحیح نہیں بلکہ اس کی ادائیگی واجب ہوتی ہے اور جب نصابِ ہلاک ہو گیا تو اس کے ضمن میں جو کچھ واجب ہوا تھا وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ لہذا اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی گویا اصناف نے ان کی بیان کردہ علت کو تسلیم نہیں کیا اور اس پر اعتراض کیا۔ اگر نہ نفی مسلک سے قطع رکھنے والے کہیں کہ مان لیا زکوٰۃ کی ایک خاص مقدار نوٹ :- نصاب میں سے ادا کرنا واجب ہے تو پھر بھی نصاب کی ہلاکت سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہونی چاہیے جیسا کہ قرض کی واپسی کا مطالبہ ہونے کے بعد مال کی ہلاکت سے قرض ساقط نہیں ہوتا۔ یہاں بھی وجوب کے بعد گویا مطالبہ پایا گیا۔ اصناف کی طرف سے جواب دیا جاتا ہے کہ قرض کی صورت میں ادائیگی کا وجوب ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ قرض دار پر حرام ہے کہ وہ اپنے مال سے قرض خواہ کو قرض کی مقدار وصول کرنے سے روکے یہاں تک کہ وہ قرض دار قرض خواہ کے لیے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالے اور قرض کی ادائیگی کی ذمہ داری سے عہدہ نہ آجائے تو گویا قرض کی صورت میں ادائیگی واجب نہ ہوتی لہذا اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ ایک دوسری مثال یہ ہے کہ وضو میں شلیت کو سنت قرار دیتے ہوئے یہ کہا جائے کہ جس طرح باقی فرائض کی ادائیگی تین تین بار کی جاتی ہے مثلاً ماتھ تین بار دھوئے جاتے ہیں وغیرہ تو اسی طرح سر کا مسح بھی تین بار ہونا چاہیے کیونکہ وہ بھی وضو کے فرائض میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ نے جس چیز کو بنیاد بنا یا یعنی ہر عضو کو تین تین بار دھونا سنت ہے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ سنت یہ ہے کہ محلِ فرض میں لعل کو بڑھایا جائے تاکہ وہ مقدارِ فرض پر زائد ہو جائے جیسے نماز میں قیام اور قرأت کو طویل کیا جاتا ہے لیکن چونکہ اعضاء کو دھونے کی صورت میں فعل کو تکرار کے بغیر نمایا نہیں کیا جاسکتا کیونکہ فعل نے محل کو پہلے ہی گھیر لیا ہے لہذا مسح کی صورت میں بھی سنت یہی ہے کہ اسے مقدارِ فرض سے بڑھایا جائے اور اس کی صورت یہ ہے کہ

پورے حکم کو منسوخ کر دیا جائے گا یا یہاں علت پر نہیں بلکہ حکم پر اعتراض کیا گیا یعنی شواہع نے تثلیث کو سنت قرار دیا اور احناف نے اسے تسلیم نہ کیا اور فعل کو بڑھانا سنت قرار دیا اور یہ منسوخ حکم ہے۔

اسی طرح کہا جاتا ہے کہ سور نے اور چاندی کی باہم بیع میں دونوں پر قبضہ شرط ہے اس پر قیاس کہتے ہوئے طعام کے برے طعام کی بیع میں بھی تقابض شرط قرار دیا گیا ہے لیکن ہم کہتے ہیں کہ آپ نے جس حکم پر قیاس کیا ہے ہم اس حکم کو تسلیم نہیں کرتے یعنی ہم نقدین کی بیع میں تقابض کو شرط نہیں مانتے بلکہ شرط تعیین ہے تاکہ ادھار کے برے ادھار کی بیع لازم نہ آئے لیکن چونکہ نقدین کا تعیین قبضے کے بغیر نہیں ہوتا لہذا قبضہ شرط قرار دیا گیا گویا شواہع نے طعام کی بیع کے سلسلے میں تقابض کو شرط قرار دینے کے لیے نقدین کی بیع میں تقابض پر قیاس کیا لیکن احناف نے حکم مقیس علیہ پر اعتراض کر دیا تو یہ مانعیت کی دوسری قسم منسوخ حکم ہے۔

موجب علت پر اعتراض

سوال نمبر ۲۰۴ موجب علت پر اعتراض کا کیا مطلب ہے وضاحت کریں اور کچھ مثالیں پیش کریں؟

جواب : موجب علت پر اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ معتل نے جس وصف کو علت قرار دیا ہے اسے علت تو تسلیم کیا جائے لیکن محول کو نہ مانا جائے بلکہ معترض کسی دوسرے حکم کو اس کا محول قرار دے مثلاً وضو کے سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ کہنی حد ہے لہذا وہ دھونے کے حکم میں نہیں آئے گی کیونکہ حد محدود میں داخل نہیں ہوتی اس پر اعتراض کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ تمہاری بیان کردہ علت کہ حد محدود میں داخل نہیں ہوتی تسلیم ہے لیکن جو کچھ تم نے اس سے ثابت کیا اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسی علت کے ساتھ کہنی کو دھونے کے حکم میں شامل کرتے ہیں اس لیے کہ کہنی حد ساقط ہے لہذا وہ ساقط کے حکم میں داخل نہیں ہوگی کیونکہ حد محدود میں داخل نہیں ہوتی بنا بریں کہنی

لا دھونا فرض قرار پائے گا۔

اسی طرح ایک علت یہ ہے کہ فرض تعین کے بغیر اور انہیں ہوتا اس علت کی بنیاد پر امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ رمضان کا روزہ فرض ہے لہذا اس میں تعین ضروری ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہماری بیان کہ وہ علت یہیں تسلیم ہے لیکن رمضان المبارک کے روزے کے لیے خود شریعت کی طرف سے تعین ہو چکی ہے لہذا اسے قضا پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور اگر امام شافعی یہ فرمائیں کہ قضا کی طرح رمضان کے روزے کے لیے بھی ہندے کی طرف سے تعین ضروری ہے تو جواباً کہا جائے گا کہ قضا کے لیے شریعت کی طرف سے تعین ثابت نہیں لہذا ہندے کا معین کرنا ضروری ہے جب کہ رمضان کے روزے کے لیے شریعت کی طرف سے تعین ہو چکی ہے۔

قلب :

سوال نمبر ۲۰۵ : قلب کی کتنی قسمیں ہیں ہر ایک کی تعریف تحریریں اور مثالیں پیش کریں؟
جواب : قلب کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ جس چیز کو معتل نے کسی حکم کے لیے علت قرار دیا ہے اسے اسی حکم کا معلول بنا دیا جائے مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زیادہ طعام میں سود کا جاری ہونا تھوڑے طعام میں سود کے جاری ہونے کا باعث ہے جیسے نمونوں میں ہوتا ہے لہذا ایک مٹھی غلے کی دو مٹھی غلے کے ساتھ بیع حرام ہوگی۔ ہم کہتے ہیں یہ بات ایسے نہیں بلکہ اس کے اٹھ ہے یعنی قلیل میں سود کا جاری ہونا کثیر میں جاری ہونے کا باعث ہے جیسا کہ سونے، چاندی میں ہوتا ہے اور یہاں قلیل سے مراد نصف صاع ہے کیونکہ سود اسی میں جاری ہوگا جو ماپ اور وزن میں اس کے لہذا مٹھی اور دو مٹھی غلے کی باہم بیع سود میں شامل نہیں ہوگی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ جو قاتل حرم شریف میں پناہ لے اُس کو قتل کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کے نفس کو ضائع کرنے کی حرمت سے کسی ایک عضو کو نقصان پہنچانے کی حرمت واجب ہوگی

جیسے حرم کے شمار کے بارے میں ہے اور عضو کی حرمت ثابت نہیں ہم کہتے ہیں کہ معاصر
 کے اٹل ہے یعنی کسی عضو کو نقصان پہنچانے کی حرمت سے نفس کی حرمت ثابت ہوتی ہے
 اس کا نتیجہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ نفس کی ہلاکت کا حرام ہونا اس لیے
 ثابت ہوگا کہ عضو کو نقصان پہنچانا حرام ہے لیکن چونکہ عضو کی ہلاکت کی حرمت ثابت نہیں لہذا
 نفس کو قتل کرنے کی حرمت بھی ثابت نہیں ہوگی تو یہی وجہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک
 قاتل کو حرم میں بھی قتل کیا جائے گا لیکن ہمارے نزدیک اسے حرم میں قتل نہیں کیا جائے گا تو جب
 معقل کا علت کو اس حکم کا معلول قرار دے دیا گیا تو وہ بطور علت باقی نہیں رہے گا کیونکہ ایک
 ہی چیز کسی چیز کے لیے یک وقت علت اور معلول نہیں بن سکتی۔

مثال: ۱۔ قلب کی دوسری قسم یہ ہے کہ معقل نے جس چیز کو کسی حکم کے لیے علت قرار دیا ہے
 معترض اسی علت کو اس حکم کے خلاف کسی دوسرے حکم کی علت قرار دے تو یوں وہ علت
 جو پہلے معقل کے لیے حجت تھی اب معترض کے لیے علت قرار پائے گی۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رمضان کے روزے کے لیے تعیین نیت کی
 مثال: ۲۔ شرط اس کی فرضیت کی وجہ ہے جیسے قضا روزے کے لیے اس کا فرض ہونا تعیین
 نیت کی علت ہے لہذا تعیین ضروری ہے۔ معترض یعنی احناف اسی علت کو اس حکم کے خلاف
 کے لیے علت قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب یہ روزہ فرض ہے تو اس کے لیے تعیین شرط نہیں
 ہوگی کیونکہ شریعت کی طرف سے دن تعیین ہو چکا ہے جیسے روزہ قضا شروع کرنے سے مستثنیٰ
 ہو جاتا ہے۔

عکس کا لغوی معنی کسی چیز کو پہلے طریقے کی طرف لوٹانا ہے اور اصطلاح شرع میں اس
 عکس کا مطلب یہ ہے کہ معترض معقل کے اصل حکم سے اس طرح استدلال کرے کہ معقل
 اس پر فرع کو قیاس نہ کر سکے اور اصل اور فرع کے درمیان مفارقت پر مجبور ہو جائے مثلاً امام
 شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ استعمال کے کپڑوں میں مذکوۃ فرض نہیں ہے لہذا استعمال کے

زیرات پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔ احناف اس پر یوں اعتراض کرتے ہیں کہ اگر زیرات کو
 کپڑوں کی طرح قرار دیا جائے تو استعمال کے کپڑوں کی طرح مرد کے زیرات میں بھی زکوٰۃ واجب
 نہیں ہوگی حالانکہ اسے قم بھی واجب سمجھتے ہو گویا احناف نے معتل کے اصل حکم سے اس انداز
 میں استدلال کیا ہے کہ اُسے اصل اور فرع میں فرق کھنہ پر مجبور کر دیا ہے۔

فساد وضع :- حکم کے مائل نہیں۔
 فساد وضع کا مطلب یہ ہے کہ علت کو ایسا وصف قرار دیا جائے جو اس

اہم شامعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بیاں بیوی میں سے کسی ایک کے مترہ ہو جائے
 مثال :- سے نکاح فاسد ہو جاتا ہے لہذا ان میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو بھی
 نکاح فاسد ہو جائے گا کیونکہ دونوں جگہ علت اختلاف میں ہے۔ احناف اسی کے جواب میں
 فرماتے ہیں کہ اسلام ناسخ کی صورت میں فساد نکاح کا حکم صحیح نہیں ہے کیونکہ اس طرح اسلام
 کو یک نکاح کے زوال کی علت قرار دیا جاتا ہے حالانکہ اسلام ایک اور حقوق کے محافظ کی
 حیثیت سے معروف ہے لہذا ان میں سے کسی ایک کا اسلام ناسخ زوال یک میں ٹوٹ نہیں ہوگا
 بلکہ اس پر اسلام پیش کیا جائے گا اگر انکار کرے تو تفریق کر دی جائے گی یا فرقت کا باعث
 اسلام سے انکار ہے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ شواہد کے نزدیک جو شخص آزاد عورت سے نکاح پر قادر ہو اس کے
 یہ لوندی سے نکاح کرنا جائز نہیں جیسے اگر اس کے نکاح میں آزاد عورت ہو تو لوندی سے
 نکاح ناجائز ہوگا اس کے جواب میں احناف کہتے ہیں کہ آپ نے مرد کے آزاد اور قادر ہونے
 کو عدم جواز کی علت قرار دیا حالانکہ اس کا آزاد اور قادر ہونا لوندی سے نکاح کے جواز کا نقص
 ہے گویا معتل نے علت سے جو حکم ثابت کیا علت اس کے مائل نہیں۔

نقص کا مطلب یہ ہے کہ علت پائی جائے لیکن اُس سے ثابت ہونے والے حکم کو کسی
 نقص :- وجہ سے اس سے الگ کر دیا جائے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک چونکہ تیمم میں نیت شرط ہے لہذا وضو میں بھی شرط
مثال :- ہوگی کیونکہ وہ دونوں طہارت بھی ہیں اور عبادت بھی۔ اس کے جواب میں احناف
کہتے ہیں کہ کپڑے اور برتن کو وضو بھی وصول طہارت ہے لیکن آپ دہاں نیت کو شرط قرار
نہیں دیتے لہذا علت یعنی طہارت کا ہونا وضو میں پایا گیا لیکن اس سے جو حکم ثابت کیا گیا
ہے وہ صحیح نہیں ورنہ کپڑے اور برتن کو وضو نہ کرنے کے لیے بھی نیت کو شرط ماننا پڑے گا۔

معارضہ :-

سوال نمبر ۲۰۶ : معارضہ اور تناقض میں کیا فرق ہے نیز معارضہ کی کوئی مثال پیش کریں؟
جواب :- تناقض کا مطلب نفس دلیل کو باطل کرنا ہوتا ہے اور تعارض دلیل سے گفتگو
نہیں کرتا بلکہ اس سے ثابت ہونے والے حکم کو روکتا ہے۔

مثال :- شوافع کہتے ہیں کہ مسح وضو کا رکن ہے لہذا وضو نہ کرنے کی طرح مسح بھی تین بار کرنا
چاہیے اس کے جواب میں احناف کہتے ہیں کہ مسح کا رکن ہونا تو تسبیح ہے لیکن
اسی سے تسبیح مسح کا سنت نہ ہونا ثابت ہوتا ہے جیسے نوز دل کا مسح اور تیمم ہے کہ ان دونوں
میں مسح رکن اور فرض ہے لیکن تین بار کرنا سنت نہیں ہے بنا بریں وضو میں سر کے مسح کا حکم
بھی ہی ہوگا۔

سبب اور علت

سوال نمبر ۲۰۷ : حکم شرعی کا تعلق کس چیز کے ساتھ ہوتا ہے ثابت کب ہوتا ہے اور کب
پایا جاتا ہے؟

جواب :- سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ جن چیزوں سے احکام متعلق ہوتے ہیں وہ چار
ہیں۔ سبب۔ علت۔ شرط۔ علامت۔ ان کی وجہ تشریح یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ

حکم کا تعلق ہوتا ہے وہ حکم میں مؤثر نہ ہوگی اور اس کا وجود ظاہر ہوگا تو وہ علت ہے مگر یہ بات
 نہ ہو تو اس کے پائے جانے پر حکم پایا جائے گا یا نہیں اگر پہلی صورت ہو تو وہ شرط ہے ورنہ دیکھا
 جائے گا کہ وہ وجود حکم پر علامت بنتی ہے یا نہیں اگر بنتی ہے تو وہ علامت ہے ورنہ سبب
 ہے۔ تو گویا حکم کا تعلق سبب کے ساتھ ہوتا ہے اور علت کے ساتھ وہ ثابت ہوتا ہے اور
 شرط کے پائے جانے پر اس کا وجود پایا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۲۰۸: سبب اور علت کی تعریف کریں اور مثال کے ساتھ وضاحت کریں؟
 جواب: سبب وہ چیز ہے جو حکم تک کسی چیز کے واسطے پہنچاتی ہے جیسے راستہ مقصد تک
 پہنچنے کا سبب ہے لیکن درمیان میں پہنچنے کا واسطہ ضروری ہے اسی طرح رسی پانی تک پہنچنے
 کا سبب ہے لیکن درمیان میں ڈول کا واسطہ ضروری ہے تو نتیجہ یہ ہوا کہ ہر وہ چیز جو کسی واسطے
 کے ساتھ حکم تک پہنچائے وہ سبب ہے اور اس واسطے کو علت کہتے ہیں مثلاً اصطبل کا دروازہ
 کھولنا۔ چمچے کا دروازہ کھولنا اور غلام کی ہتھکڑی کھولنا یہ کسی چیز کو نقصان پہنچانے کا سبب
 ہیں لیکن درمیان میں جانور۔ پتندہ اور غلام علت ہیں گویا یہاں تین چیزیں ہیں۔ جانور
 وغیرہ کو کھولنا سبب ہے اور وہ جانور وغیرہ واسطہ ہیں اور ان کا کسی چیز کو نقصان پہنچانا حکم ہے۔
 سوال نمبر ۲۰۹: حکم کی افادت علت کی طرف ہوگی یا سبب کی طرف؟

جواب: جب علت اور سبب جمع ہو جائیں تو حکم کی نسبت علت کی طرف ہوگی مگر جب
 علت کی طرف اضافت مشکل ہو تو حکم سبب کی طرف مضاف ہوگا۔ اسی بنیاد پر احناف یہ فرماتے
 ہیں کہ جب کسی شخص نے بچے کو چھری پکڑائی اور اس نے اپنے آپ کو قتل کر دیا تو چھری دینے والے
 پر تاوان نہیں ہوگا کیونکہ یہ شخص سبب ہے اور بچے کا قتل کرنا علت ہے اور حکم یہاں علت
 کی طرف مضاف ہوگا اور اگر وہ چھری بچے کے ہاتھ سے گر گئی اور بچہ زخمی ہو گیا تو اس شخص پر
 تاوان آئے گا کیونکہ اب بچے کی طرف زخمی کرنے کی نسبت نہیں ہو سکتی لہذا سبب کی طرف
 اضافت ہوگی۔

دوسری مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی بچے کو سواری پر سوار کر لیا اور وہ دائیں بائیں
 بچکولے کھاتے ہوئے گر کر فر گیا تو اس شخص پر ضمان نہیں ہوگی اور اگر کسی آدمی نے کسی دوسرے
 شخص کو ایک تیسرے آدمی کے مال کے بارے میں بتایا اور اس نے اسے چوری کر لیا یا کسی
 نفس کے بارے میں بتایا اور اس نے اسے قتل کر دیا یا قتل کے بارے میں بتایا اور اس نے
 ڈاکہ ڈالا تو اس رہنمائی کرنے والے پر ضمان نہیں ہوگی کیونکہ یہ سبب ہے اور حکم کی نسبت علت
 کی طرف ہوگی اور وہ اس دوسرے شخص کا چوری کرنا، قتل کرنا یا ڈاکہ ڈالنا ہے۔

نوٹ :- اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رہنمائی کرنے والے شخص یا بچے کے ہاتھ میں پھری دینے
 والے یا بچے کو سواری پر سوار کرنے والے کو کوئی سزا نہیں ملے گی بلکہ حکم اُسے
 سخت سے سخت سزا دے سکتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ :- اگر کسی شخص نے کسی دوسرے آدمی کو امانت کے بارے میں بتایا
 کہ فلاں جگہ ہے یا احرام والے نے کسی اور شخص کو حرم کے شمار کی طرف رہنمائی کی اور اب میں شخص
 کی رہنمائی کی گئی اس نے امانت چوری کی یا حرم کا شکار کیا تو ضابطے کے مطابق رہنمائی کرنے
 والے پر تاوان نہیں ہونا چاہیے حالانکہ ان دونوں پر تاوان آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ
 جس آدمی سے پاس امانت رکھی گئی تھی وہ رہنمائی کے اقتدار سے چوری کا سبب بنتا ہے اس سے
 چوری کی اضافت اس کی طرف نہیں ہوگی اور نہ ہی یہ تاوان چوری کی وجہ سے ہے بلکہ اس بنیاد
 پر ہے کہ اس نے امانت کی حفاظت کو چھوڑ دیا جو اس پر واجب تھی اسی طرح حرم پر جو تاوان
 آ رہا ہے وہ شکار کی وجہ سے نہیں بلکہ شکار کی طرف رہنمائی کرنے کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ رہنمائی بھی
 حرم پر حرام ہے لہذا اس نے ایک ایسے کام کا ارتکاب کیا جو حالت احرام میں منع تھا۔

ایک دوسرے شبہ کا ازالہ :- یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر بعض دلائل کی وجہ سے اس پر تاوان
 آتا ہے تو شکار نہ کرنے کی صورت میں بھی تاوان آنا چاہیے کیونکہ دلائل تو بہر حال پائی گئی جو جرم
 ہے۔ اس حوال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ دلائل جرم ہے لیکن یہ جرم اس وقت بختم ہوتا ہے جب

واقعی شکار کر لیا جائے کیونکہ ممکن ہے وہ شخص شکار نہ کرے تو اس صورت میں جرم کا اثر نہیں پایا جائے گا جیسے زخم ٹھیک ہو جانے کی صورت میں زخمی کرنے والے سے تلافی کا حکم اٹھ جاتا ہے۔
سوال نمبر ۲۱۰: کیا سبب کسب عت کے معنی میں آتا ہے؟

جواب: ہاں بعض اوقات سبب عت کے معنی میں ہوتا ہے اور اس وقت حکم کی اصناف اسی کی طرف ہوتی ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جب عت اس سبب کے ساتھ ثابت ہو تو سبب بھی عت کے معنی میں ہوگا کیونکہ اس صورت میں وہ عت کی عت کہلانے کا لہذا حکم بھی اسی کی طرف مضاف ہوگا۔

مثال: ایک شخص نے جانور کو چلایا اور اس نے کسی چیز کو ضائع کر دیا تو چلانے والا ضامن ہوگا۔
مثال: اگر کیڑا جانور کے چلنے کے لیے چلانا عت ہوگا اور وہ چلانے والے کی طرف منسوب ہوگا۔ اسی طرح جب کسی گواہ کی گواہی سے کسی دوسرے شخص کا مل نقصان ہوا پھر اس گواہ نے رجوع کر لیا جس سے گواہی کا باطل ہونا ثابت ہوا تو یہ نقصان گواہ پر ڈالا جائے گا اگرچہ اس نقصان کی عت قاضی کا فیصلہ ہے لیکن جب قاضی کے سامنے گواہوں نے گواہی دے دی تو اب وہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہے جیسے جانور چلانے والے کے سامنے مجبور تھا اور اسی بنیاد پر وہ نقصان جانور کی بجائے اسے چلانے والے پر ڈالا گیا اسی طرح یہاں قاضی کی مجبوری کے پیش نظر بنائیت کا حکم گواہ کی طرف مضاف ہوگا۔

سوال نمبر ۲۱۱: بعض اوقات سبب عت کے قائم مقام ہوتا ہے ایسا کب ہوتا ہے؟
مثالوں کے ذریعے وضاحت کریں؟

جواب: جب حقیقت عت پر اطلاع مشکل ہو تو تکلف کی آسانی کے لیے سبب کو عت کے قائم مقام کر دیا جاتا ہے اس وقت تعلیق حکم کے اعتبار سے عت کو نظر انداز کر کے حکم کو سبب کی طرف مضاف کیا جاتا ہے۔

مثالیں: ۱۔ ہوگا انکشاف وضو ٹوٹنے کی عت ہے لیکن جو شخص سویا ہوا ہر وہ اس عت پر

مطلع نہیں ہو سکتا لہذا محض زمیند کو جو ہوا کے نکلنے کا سبب ہے علت کے قائم مقام رکھتے ہوئے
وضو ٹوٹنے کا باعث قرار دیا گیا۔

مثلاً ۱: مرد کے ذمہ پورا ہر اس وقت لازم ہوتا ہے جب وہ اپنی منکوہ سے وطی کرے اسی طرح
عورت پر عادت اس وقت لازم آتی ہے جب اس سے وطی کی جائے اور چونکہ وطی ایک پوشیدہ
عمل ہے جس پر بیوی اور خاوند کے ہوا کوئی دوسرا مطلع نہیں ہو سکتا لہذا اقلوت صحیحہ جو وطی
کا سبب ہے اسے علت کے قائم مقام کر کے کمال ہر اس وقت کا حکم دیا جاتا ہے۔

مثلاً ۲: چونکہ سفر میں مشقت اٹھانا پڑتی ہے لہذا اس مشقت کی وجہ سے شریعت نے مسافر
کو نماز میں قصر اور روزہ ٹھکانے کی رخصت دی ہے لیکن چونکہ اس بات کا معلوم کرنا مشکل ہے
آیا مسافر کو سفر کے کچھ تکلیف ہوئی ہے یا نہیں تو شریعت نے مشقت کے سبب یعنی سفر کو علت
کے قائم مقام کرتے ہوئے رخصت دے دی ہے چاہے مسافر کو سفر میں تکلیف ہو یا نہ۔

سوال النبی ۲۱۲: کیا کبھی غیر سبب کو سبب کے قائم مقام کیا جاتا ہے وضاحت کیجئے؟
جواب: بعض اوقات غیر سبب کو مجازاً سبب قرار دیا جاتا ہے جیسے قسم کفارے کا مجازاً
سبب بنتی ہے حقیقتاً اس کا سبب نہیں ہے کیونکہ سبب وجود سبب کے منافی نہیں ہوتا
حالانکہ قسم کفارے کے منافی ہے وہ یوں کہ جب تک قسم موجود ہے کفارہ لازم نہیں آتا وہ اس
وقت لازم آتا ہے جب قسم توڑی جاتی ہے۔ اسی طرح جو حکم کسی شرط سے متعلق ہوتا ہے تو
تعطیل اس کے لیے مجازاً سبب قرار پاتی ہے کیونکہ حکم تو اس وقت پایا جاتا ہے جب شرط پائی
جاتی ہے حالانکہ جب شرط پائی جاتی ہے تو تعطیل ختم ہو جاتی ہے لہذا وہ تعطیل حکم کا حقیقی سبب
نہیں ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے کے منافی ہیں۔

اسباب احکام

سوال النبی ۲۱۳: شرعی احکام کا وجوب اسباب سے متعلق ہوتا ہے اس کی وضاحت کیجئے؟

جواب : در حقیقت احکام کا وجوب شارع کے امر سے متعلق ہوتا ہے لیکن چونکہ وجوب حقیقی بندوں سے مخفی ہوتا ہے لہذا کسی ایسی علامت کی ضرورت ہے جس کے ذریعے بندے کو وجوب حکم کا علم حاصل ہو جائے لہذا حکم کو اس کے سبب کی طرف مضاف کیا جاتا ہے اور وہی اس کی علامت ہے مثلاً وجوب نماز کا سبب وقت کا پایا جاتا ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وقت سے پہلے ادائیگی نماز کا خطاب بندے کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ وقت کے بعد متوجہ ہوتا ہے۔

اعتراض : جب نفس وجوب سبب کے ساتھ ثابت ہوتا ہے اور وہ وقت ہے تو خطاب کا کیا فائدہ ہے؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ خطاب ہی وہ چیز ہے جو وجوب ادا کو ثابت کرتا ہے اور بندے کو وجوب کے سبب سے آگاہ کرتا ہے گویا جب سبب پایا جاتا ہے تو خطاب بندے کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور شارع کے حکم کی تعمیل کے لیے اسے تیار کرتا ہے۔ مثلاً جب خریدنے والے کو کہا جاتا ہے کہ بیع کی قیمت ادا کر یا شومہرے کہا جاتا ہے کہ اپنی منکوحہ کا نفقہ ادا کر تو یہ خطاب اسے اس کی ادائیگی کا وقت بتاتا ہے جو پہلے سے اس پر واجب ہو چکی ہے یعنی بیع کی قیمت یا منکوحہ کا نفقہ بیع اور نکاح کے ساتھ واجب ہوتے ہیں اور یہ خطاب محض ادائیگی کی طرف متوجہ کرتا ہے تو نماز کے سلسلے میں بھی جب وقت داخل ہو جاتا ہے تو وہی بندے کو اس وجوب سے آگاہ کرتا ہے جو اس پر پہلے سے واجب ہے اور اب اس کی ادائیگی کا وقت ہوا ہے یہی وجہ ہے کہ جس شخص کو خطاب نہ بھی پہنچتا ہو مثلاً سوا ہوا یا بے ہوش آدمی تو ان پر بھی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے اس لیے کہ وقت جس کو وجہ سے نماز ادا کرنا واجب ہے وہ ان کے حق میں بھی پا گیا ہے۔ اگر محض خطاب سے ادائیگی واجب ہوتی تو ان لوگوں پر نماز واجب نہ ہوتی۔

سوال نمبر ۲۱۳ : وجوب نماز کے لیے وقت سبب ہے تو کیا وقت کی پہلی جزء پائے جاتے

کے نماز واجب ہو جاتی ہے یا وقت کا مکمل ہونا ضروری ہے؟

جواب : چونکہ وقت کے داخل ہونے سے نماز کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے لہذا جب وقت کی پہلی جزء داخل ہو جائے تو ادائیگی واجب ہو جائے گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلی جزء نکلنے کے بعد نماز قضا ہو جائے گی بلکہ یہ وجوب آگے کی طرف بڑھے گا اور اس ضمن میں دوسری بیان کی جاتی ہیں۔

سوال نمبر ۲۱۵ : ان دونوں صورتوں کی الگ الگ وضاحت کریں؟

جواب : پہلی صورت یہ ہے کہ اگر پہلی جزء میں فرض کی ادائیگی نہ کی گئی تو وقت کی دوسری جزء سبب بن جائے گی اگر دوسری جزء میں ادا نہ کرے تو تیسری جزء سبب بنے گی اسی طرح یہ سبب ہر پہلی جزء سے دوسری جزء کی طرف منتقل ہو گا حتیٰ کہ آخری جزء میں یہ وجوب ٹھہر جائے گا اور اس جزء میں ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں قضا لازم آئے گی اور گنہگار ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ نبیؐ کی اہلیت اور مردم اہلیت کا اعتبار اسی جزء کے حوالے سے کیا جاتا ہے مثلاً اگر کوئی بچہ ظہر کے ابتدائی وقت میں نابالغ تھا یا کوئی غیر مسلم تھا یا عورت حیض و نفاس والی تھی اور وقت کی آخری جزء میں وہ بچہ بالغ ہو گیا، کافر مسلمان ہو گیا اور حیض و نفاس والی پاک ہو گئی تو ان پر اس وقت کی نماز فرض ہوگی۔

اور اس کے برعکس اگر وقت کی پہلی جزء میں اہلیت پائی جاتی ہو لیکن آخر وقت میں اہلیت نہ ہو تو نماز ساقط ہو جائے گی مثلاً وقت کی آخری جزء میں عورت کو حیض یا نفاس آجائے یا ایسا جنون طاری ہو جائے جو ایک دن اور رات سے بڑھ جائے یا طویل بیہوشی کا شکار ہو جائے تو نماز ساقط ہو جائے گی۔

اسی طرح اگر پہلے وقت میں مسافر تھا اور آخر وقت میں مقیم ہو گیا تو چار رکعت ادا کرے گا اور اگر وقت کی پہلی جزء میں مقیم تھا اور آخری جزء میں مسافر ہو گیا تو قصر کرنا ہوگی۔
یونہی اگر وقت کی آخری جزء کامل تھی تو وجوب کامل ہو گا لہذا مکرر وہ اوقات میں ادا

کرنے سے ادائیگی نہ ہوگی مثلاً فجر کا آخری وقت کامل وقت ہے لہذا فجر کی نماز لو اگر سترہ ہوئے
سوزن طلوع ہو جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی کیونکہ اب طلوع آفتاب کی وجہ سے فاسد وقت
شروع ہو گیا اور جو عبادت کامل واجب ہوئی تھی وہ فاسد وقت میں کامل طور پر ادا نہیں کی
جاسکتی۔ اور اگر وقت کی آخری جزء فاسد وقت ہو تو اس وقت کی نماز اس جزء میں ادا ہو
سکتی ہے کیونکہ اس کا وجوب ناقص طور پر نہ لہذا ادائیگی بھی نقصان کے ساتھ ہوگی جیسے
اسی دن کی نماز عصر۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ہر جزء مستقل سبب ہے ایسا نہیں کہ سبب ایک سے دوسری
جزء کی طرف منتقل ہو اس بات کے قاضی کی دلیل یہ ہے کہ اجزاء کی منتقلی سے پہلی جزء
کو باطل کرنا لازم آتا ہے حالانکہ وہ شرعی طور پر ثابت ہے۔
یہاں پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ کہ اس طرح تو ایک کی بجائے کئی اسباب ثابت ہوں گے
وہ کہتے ہیں ایسا لازم نہیں آتا کیونکہ دوسری جزء سے بھی وہی بات ثابت ہو رہی ہے جو
پہلی جزء سے ثابت ہوتی ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے ایک حکم کی کئی علتیں ہوں یا کسی
مقدمہ کے کئی گواہ ہوں۔

سوال نمبر ۲۱۶: روزے، زکوٰۃ، حج، صدقہ فطر اور عشر کے اسباب بیان کیجئے؟
جواب: روزے کے وجوب کا سبب ماہ رمضان المبارک کا آنا ہے۔ کیوں کہ شارع
کا خطاب اسی وقت متوجہ ہوتا ہے جب یہ مہینہ آتا ہے علاوہ ازیں روزے کی اضافت
بھی اسی مہینے کی طرف کی جاتی ہے کہا جاتا ہے ”صوم شہر رمضان“
زکوٰۃ کے وجوب کا سبب ایسے نصاب کا مالک ہو جانا ہے جس میں حقیقتاً بڑھنا پانا گیا
یا سال گزرنے کی وجہ سے ٹھکا بڑھنے والا قرار دیا گیا ہو کہ وجوب زکوٰۃ کا سبب نصاب ہے
لہذا سال گزرنے سے پہلے بھی زکوٰۃ لو اکی جاسکتی ہے۔
وجوب حج کا سبب بیت اللہ شریف ہے کیونکہ اس کی اضافت اسی کی طرف ہوتی ہے

قرآن پاک میں ”وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلٌ“ ایسا ہے اور حج کا زندگی میں ایک بار فرض ہونا بھی اس بات کی دلیل ہے کیونکہ بیت اللہ شریف بھی ایک ہی ہے اور چونکہ خانہ کعبہ موجود ہے لہذا اگر کوئی شخص حصول استطاعت سے پہلے حج کرے تو اس کا اسلامی حج ادا ہو جائے گا لیکن زکوٰۃ کا سبب نصاب ہے لہذا انصاب کے پاسے جانے سے پہلے زکوٰۃ دی تو وہ ادا نہیں ہوگی۔

صدقہ و فطر کا سبب افراد ہیں جن کی طرف سے ان کا دلی صدقہ و فطر ادا کرتا ہے اور چونکہ یہ افراد عید الفطر سے پہلے بھی موجود ہوتے ہیں لہذا عید الفطر سے پہلے صدقہ و فطر ادا کرنا جائز ہے۔ وجوب عشر کا سبب وہ زمین ہے جس سے فصل پیدا ہوتی ہے اور واقعی اس میں فصل پیدا ہو محض زمین کی صلاحیت کا پایا جانا وجوب عشر کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ وجوب خراج کا سبب وہ زمین ہے جو زراعت کی صلاحیت رکھتی ہو پس وہ حکماً نامی یعنی قائمہ دینے والی قرار پائے گی۔

سوال الثمبہ ۲۱۷: وضو اور غسل کے وجوب کا سبب بیان کریں نیز بتائیں کہ وضو کے سبب میں کیا اختلاف ہے؟

جواب: وجوب وضو کا سبب جمہور کے نزدیک نماز ہے یہی وجہ ہے کہ جس آدمی پر نماز واجب ہوگی اسی پر وضو واجب ہوگا اور جس پر نماز واجب نہیں مثلاً حیض اور نفاس والی عورتیں تو ان پر وضو بھی واجب نہیں جب کہ بعض حضرات کے نزدیک وضو کا سبب حدیث ہے وجوب غسل کا سبب حیض، نفاس اور جنابت ہے کیونکہ جب تک یہ چیزیں نہ پائی جائیں غسل فرض نہیں ہوتا۔

شرعی موانع

سوال الثمبہ ۲۱۸: شرعی موانع کتنے اور کون کون سے ہیں مثالوں کے ذریعے وضاحت کریں؟

جواب : تقاضی امام ابو زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کسی حکم شرعی کے سلسلے میں موانع یعنی رکاوٹیں چار قسم کی ہیں :

۱۔ اعتقاد علت میں رکاوٹ : اس سے مراد یہ ہے کہ کسی رکاوٹ کی وجہ سے حکم کی علت ہی منعقد نہ ہو سکے۔ مثلاً سودے کے بعد خریدار کو بیع کی اور بیچنے والے کو ثمنوں کی ملکیت حاصل ہو جاتی ہے گویا حصول ملکیت کی علت بیع ہے لیکن آزاد انسان، مرد اور خون چونکہ مال نہیں ہیں لہذا یہ تصرف بیع کے محل نہیں اور ان کی خرید و فروخت جائز نہیں تو گویا ملکیت کی علت یعنی خرید و فروخت میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

۲۔ اسی طرح جو احکام کسی شرط سے متعلق ہوتے ہیں وہاں تعلیق، حکم کی علت یعنی تصرف کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کسی شخص نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق نہیں دے گا پھر اس نے طلاق کو گھر میں داخلے سے متعلق کیا تو اب طلاق دینے کی صورت میں وہ حاشا نہیں ہو گا یعنی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ عورت کا مطلق ہونا ایک حکم ہے جس کی علت تصرف طلاق ہے اور یہاں شرط سے تعلیق اس تصرف میں رکاوٹ ہے گویا علت کے اعتقاد میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔

۳۔ علت کے مکمل ہونے میں رکاوٹ : اس کا مطلب یہ ہے کہ علت کے اعتقاد میں تو کوئی رکاوٹ نہیں لیکن تکمیل علت کی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً نصاب کا پایا جانا و جو ب زکوٰۃ کی علت ہے لہذا جب نصاب پایا گیا تو علت پائی گئی لیکن سال پورا ہونے سے پہلے مال ضائع ہو جانے سے علت کی تکمیل نہ ہو سکی۔

۴۔ اسی طرح کسی مقدمہ میں دو گواہوں کی گواہی خصلے کے لیے علت بنتی ہے اب ایک گواہ گواہی دے دیتا ہے لیکن دوسرے گواہ کے گواہی دینے کے بعد رجوع کر لیتا ہے تو علت پائی گئی لیکن مکمل نہ ہو سکی۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ عقد میں ایجاب و قبول حکم کے لیے علت بنتا ہے لہذا

عقد کے ایک حصے کو رد کر دیا جائے تو علت تمام نہ ہو سکے گی۔

۳۔ ابتداء کے حکم میں رکاوٹ، یعنی علت مکمل طور پر پائی جاتی ہے لیکن اس پر حکم کے نقاد میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً سودا مکمل ہو جائے تو ملکیت کی علت پائی گئی لیکن شرطِ اختیار، وجودِ حکم میں رکاوٹ ہے جب تک یہ باقی ہے ملکیت حاصل نہیں ہو سکتی اسی طرح جب معذور مثلاً مستی، غم، عورت، تمسیر والا یا وہ شخص جسے پیشاب کے قطرے آتے ہوں ان کیلئے نماز کا وقت داخل ہونے پر دھوکہ نامزد ہی ہے جب تک وہ وقت باقی ہے یہ باوجود نہیں گئے اب وقت ختم ہونے سے پہلے اگرچہ حدیث لاشعور ہو اور جو بے دھو ہونے کی علت ہے لیکن علت کے باوجود حکم اس لیے نافذ نہیں ہوتا کہ وقت کا باقی رہنا اس کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

۴۔ دوامِ حکم میں رکاوٹ، اس کا مطلب یہ ہے کہ علت پائے جانے پر حکم بھی پایا جاتا ہے لیکن کسی رکاوٹ کی وجہ سے حکم باقی نہیں رہتا۔ اس کی مثال اختیار، بلوغ، اختیارِ حق اور اختیارِ رویت ہے۔ یعنی جب چھوٹے لڑکے اور لڑکی کے باپ دادا کے علاوہ کسی ولی نے ان کا نکاح کیا تو یہ نکاح نافذ ہو جائے گا لیکن بالغ ہونے پر وہ نکاح یا لڑکی اسے برقرار رکھنے یا نسخ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ اسی طرح اگر غلوہ لڑکی کو آزاد کیا گیا تو اسے اپنے نکاح کو برقرار رکھنے یا توڑنے کا حق حاصل ہے اگر سودا ہو جائے لیکن مشتری بیع کو دیکھنے کا اختیار رکھے تو ممکن ہے وہ بیع کو دیکھنے کے بعد سودا نسخ کر دے تو یوں یہ حکم باقی نہ رہ سکا۔

یونہی اگر کوئی عورت غیر کفو میں شادی کرے تو نکاح کے باعث خاوند کو ملک بضع حاصل ہو جائے گی لیکن عورت کے اہل خاندان اس نکاح کو توڑنے کا اختیار رکھتے ہیں۔
 ۵۔ جموں کا ٹھیک ہو جانا بھی اس قسم میں شامل ہے مثلاً کسی شخص نے کو دوسرے آدمی کو دغی کر دیا تو اگر وہ بلاک ہو جائے تو قصاص لیا جائے گا لیکن زخم ٹھیک ہونے کی صورت میں وہ حکم ختم ہو جائے گا اگرچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تعزیر ہوگی۔

سوال نمبر ۲۱۹: کیا ان چار موانع میں کسی کا اشتلاف بھی ہے اگر ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟
 جواب: بعض حضرات کے نزدیک علت اور حکم ایک دوسرے سے الگ ہو سکتے ہیں ان کے
 نزدیک یہ چار موانع ہیں لیکن کچھ لوگوں کے نزدیک علت کے پائے جانے پر حکم کا پایا جانا ضروری
 ہے اس لیے ان کے نزدیک صرف تین موانع ہوں گے علت کے انعقاد میں رکاوٹ، علت
 کی تکمیل میں رکاوٹ اور دوام حکم میں رکاوٹ۔ ان کے نزدیک علت کے پائے جانے پر
 حکم کا پایا جانا ضروری ہے اس طرح پہلے فرق نے جسے حکم کے ثبوت میں رکاوٹ قرار دیا دوسرا
 فرق اسے دوام حکم میں رکاوٹ سمجھتا ہے۔

فامورات شرعیہ

سوال نمبر ۲۰: فرض، واجب، سنت اور نفل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف کیجئے
 جواب: فرض: فرض کا لغوی معنی اندازہ کرنا ہے شریعت کے فرض کیے گئے احکام کو
 فرض اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا ایک اندازہ مقرر ہے جس میں کمی زیادتی کا احتمال نہیں۔
 شریعت میں فرض سے وہ حکم مراد ہے جو ایسی قطعی دلیل سے ثابت ہو جس میں کچھ
 شبہ نہ ہو۔

فرض کا حکم یہ ہے کہ اس کا اعتقاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا دونوں ضروری ہیں۔
 واجب: واجب کا معنی سقوط ہے یعنی وہ عمل جو بند کی مرضی کے بغیر اس پر ڈالنا جائز
 ایک قول کے مطابق یہ "وجوب" سے مشتق ہے اور اس کا معنی اضطراب ہے نابین
 واجب کو اس لیے واجب کہتے ہیں کہ وہ فرض اور نفل کے درمیان ہوتا ہے عمل کے اعتبار سے
 فرض ہوتا ہے مگر اس کا چھوڑنا جائز نہیں اور اعتقاد کے اعتبار سے نفل ہوتا ہے کہ اس کو
 نفل پر پانا لازم نہیں۔

شریعت میں واجب سے مراد وہ عمل ہے جو کسی شے والی دلیل سے ثابت ہو جس طرح

وہ آیات جن کے معانی میں تاویل کی جاتی ہے یا وہ صحیح احادیث جو تفسیر واحد ہیں اس کا حکم یہی ہے کہ اس پر عمل ضروری ہے اعتقاد لازمی نہیں۔
سنت کا لغوی معنی طریقہ اور راستہ ہے۔

شرعی اصطلاح میں دین سے متعلق پسندیدہ طریقہ جس پر ہمیشہ چلنا جاتا ہے سنت کہلاتا ہے چاہے وہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہو یا نبی اکرام رضی اللہ عنہم کا، نبی اکرام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
”تم پر میری اور میرے بعد کے خلفاء کی سنت لازم ہے اے مصلوٰی سے
تھامے رکھنا“

سنت کا حکم یہ ہے کہ انسان (مسلمان) سے اس کے احیاء یعنی عمل کا مطالبہ کیا جائے اور بلا عند چھوڑنے پر وہ علامت کا مستحق ہوگا۔

نفل: لغوی اعتبار سے نفل زائد چیز کو کہتے ہیں اسی یہ غنیمت کو بھی نفل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جہاد کے مقصود سے زائد چیز ہے۔

شریعت میں نفل وہ حکم ہے جو فرض و واجبات سے زائد ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کے کرنے پر ثواب ملتا ہے لیکن چھوڑنے پر عذاب نہیں نفل کو تطوع بھی کہتے ہیں۔

عزیمت و رخصت

سوال نمبر ۲۲۱: عزیمت کا لغوی اور اصطلاحی معنی لکھیں؟

جواب: لغوی اعتبار سے ہر ایسے ارادے کو عزیمت کہا جاتا ہے جو نہایت مؤکد ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ظہار کی صورت میں طہی کا عزم ظہار سے رجوع قرار پاتا ہے یعنی جب عزم کے ساتھ کوئی دلالت بھی ہو تو طہی کا اعتبار کریں گے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص ”اعترضتم“ (میں نے عزم کیا) کہے تو وہ تم شمار ہوگی۔

شرعی اصلاح میں وہ احکام عزیمت کہلاتے ہیں جو ابتداءً ہم پر لازم ہوئے کیونکہ حکم دینے والا ہمارا معبود ہے اور اس کی اطاعت ہم پر فرض ہے لہذا یہ احکام نہایت تاکید میں فرض، واجب، ہنسنت، نفل وغیرہ جن احکام کا ذکر ہو چکا ہے عزیمت کی اقسام ہیں۔
سوال نمبر ۲۲۲ رخصت کی نفوی اور شرعی تعریف کریں اور اس کی اقسام بتائیں؟
جواب نفوی اعتبار سے رخصت، بہولت اور آسانی کو کہا جاتا ہے۔

شرعی اصطلاح میں کسی مشکل حکم کو آسانی کی طرف اس لیے پھیرنا کہ مکلف بوجہ عذر سے ادا نہیں کر سکتا اور چونکہ اس کے اسباب عذر میں لہذا جس قسم کا عذر ہوگا اسی انداز کی رخصت ہوگی۔

نتیجہ کے اعتبار سے رخصت کی دو قسمیں ہیں :

۱۔ رخصت فعل کے باوجود اس کام کی حرمت باقی رہتی ہے مثلاً مجرم کو معاف کر دینے، اطمینان قلب کی صورت میں زبان پر کلمہ کفر جاری کرنے، کسی نبی کو (معاذ اللہ) سب و شتم کرنے، مسلمان کا مال حنا لے کر کھانے اور کسی نفس کو ظلماً قتل کرنے کی اجازت ملنے کے باوجود یہ کام حلال نہیں ہو جاتے بلکہ حرام ہی رہتے ہیں۔ اس رخصت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ قتل وغیرہ کی دھمکیوں کے باوجود شارع علیہ اسلام کی تعظیم میں ان برائیوں سے باندھتا ہے تو اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔

۲۔ رخصت کی وجہ سے فعل کی صفت بھی بدل جاتی ہے یعنی پہلے حرام تھا تو اب اس کے حق میں مباح ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

”اور جو شخص سخت سبوک اور پیاس کی حالت میں مجبور ہو لیکن گناہ کی طرف بھٹکنے والا نہ ہو تو اس پر اس حرام کو استعمال کرنے کے باعث کوئی گناہ نہیں“

یعنی مردار کھانے یا شراب پینے پر مجبور کیا گیا تو اس مجبور شخص کے لیے اس حالت میں ان چیزوں کا کھنا، پینا جائز ہوگا۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ اس کے کہانے سے باز رہے حتیٰ کہ قتل ہو جائے تو گناہ گار ہوگا
کیونکہ اس نے ایک جائز چیز استعمال کرنے سے گریز کر کے خودکشی کی۔

عدم دلیل سے استدلال

سوال نمبر ۲۲۲: عدم دلیل سے استدلال کا کیا مطلب ہے نیز اس کی کتنی اور کون کونسی
صورتمیں ہیں؟

جواب: عدم دلیل سے استدلال کا مطلب یہ ہے کہ کسی دلیل سے کوئی حکم ثابت ہو تو اس
دلیل کے نہ پائے جانے سے کوئی دوسرا حکم ثابت ہو جائے یا وہ حکم ثابت نہ ہو اس کی دو
صورتمیں ہیں:

۱۔ عدم علت سے حکم پر استدلال کرنا جیسے کہا جاتا ہے چونکہ انسان کے دونوں راستوں
سے نکلنے والی چیز بے دھوکہ دیتی ہے لہذا جو چیز دونوں راستوں سے نہ نکلے اس سے دھوکہ نہیں
ٹوٹے گا اسی طرح اگر باپ، بیٹے میں سے ایک، دوسرے کو خریدے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے
لہذا اس میں آزادی کی علت، ولادت کا رشتہ بنائیں اگر بھائی، بھائی کو خریدے تو وہ
آزاد نہیں ہوگا۔

۲۔ استحصال حال سے استدلال کرنا یعنی کسی حکم کے ماضی میں ثبوت کو دیکھ کر اب بھی اس پر وہی
حکم لگانا یعنی محض گذشتہ حالت سے اس کو ثابت کیا جاتا ہے اس کے ثبوت پر کوئی دلیل نہیں
پائی جاتی۔

سوال نمبر ۲۲۳: کیا ہمارے (مخالف) کے نزدیک یہ استدلال صحیح ہے؟

جواب: ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح بھی ہے اور غلط بھی، اور اس تفصیل یہ ہے:
عدم علت سے حکم پر استدلال کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ اس حکم کے لیے صرف وہی علت ہے جو یہاں معدوم ہے یا کوئی دوسری
 علت بھی ہے اگر ہی علت ہو تو عدم علت عدم حکم کو مستلزم ہوگا مثلاً قصاص کی علت قتل عمد
 ہے لہذا قتل کے نہ جانے سے قصاص بھی ثابت نہ ہوگا اسی طرح غصب کی ضمان اسی صورت
 میں ہوگی جب کسی چیز کو غصب کیا جائے۔ بنا برین اگر گواہی کی بنیاد پر قاتل سے قصاص یا
 گیا پھر گواہوں نے گواہی سے رجوع کر لیا تو ان سے قصاص نہیں لیا جائے گا کیونکہ قتل
 کا ارتکاب گواہوں نے نہیں کیا۔

اسی طرح مفسودہ عورت کے بچے کی ضمان نہیں ہوگی کیونکہ یہاں غصب نہیں پایا گیا۔
 اس کی وجہ یہ ہے کہ مالک کے قبضے سے کسی چیز کو نکال کر اپنے قبضے میں لے لینا غصب ہے جب کہ
 بچے کی صورت میں یہ تعریف صادق نہیں آتی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس حکم کے لیے اس علت کے علاوہ بھی کوئی علت ہو تو اس علت
 کے معدوم ہونے سے عدم حکم لازم نہیں آئے گا۔ بنا برین غیر سبیلین سے نکلنے والی چیز مثلاً
 قے وغیرہ سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ اگرچہ یہ علت یہاں معدوم ہے لیکن دوسری دلیل
 مثلاً حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ ہر بنیے دلے خون سے وضو لازم ہو جاتا ہے اور
 مطلق خرد و نجاست ناقض وضو ہے چاہے سبیلین سے ہو یا کسی دوسری جگہ سے۔

اسی طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص کسی محرم کا مالک بن
 جائے تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ لہذا اس بنیاد پر بھائی کے خریدنے سے بھائی آزاد ہو جائے گا۔
 اگر عدم علت سے عدم حکم کو مطلقاً تسلیم کر لیا جائے تو اس بہت کا ایک جواب ہوگا کہ
 فلاں آدمی چھت سے گرنے کی وجہ سے مر گیا لہذا جو چھت سے نہیں گرے گا وہ نہیں مرے گا
 کیونکہ یہ بات غلط ہے مرنے کی کوئی دوسری وجہ بھی ہو سکتی ہے۔

امام محمد رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص بچے کے ساتھ مل کر کسی کو قتل کرے تو بچے
 کے شریک پر قصاص واجب ہوگا آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ بچہ مرفوع القلم ہے لہذا اس کا شریک

بھی قصاص سے پڑ جائے گا۔ سائل نے کہا اگر باپ اپنے بیٹے کو قتل کرے اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی شریک ہو تو پھر نہ باپ مرفوع القلم نہیں لہذا اس کے شریک پر قصاص ہو گا۔ مالک کہہ رہے ہیں کہ اگر باپ مرفوع القلم نہیں لیکن دوسری علت یعنی باپ ہونے کی وجہ سے قصاص سے پڑ جائے گا اور اس کے بچنے کی صورت میں شریک پر بھی قصاص نہ ہو گا۔ استصحابِ حل سے استدلال صحیح نہیں کیونکہ کسی چیز کے وجود سے اس کا باقی رہنا لازم نہیں آتا لہذا اس کے ذریعے کسی سے نقصان وغیرہ کو دھوکا دیا جاسکتا ہے لیکن اس پر کچھ لازم نہیں کیا جاسکتا۔ مثلاً مہول النسب شخص کو آزاد تصور کیا جائے گا لیکن اگر کوئی شخص اس کے غلام ہونے کا دعویٰ کرے اور پھر وہ اس کا نقصان کر دے تو آزاد آدمی کے اعتبار سے تاوان لازم نہیں آئے گا کیونکہ تاوان لازم کرنا ہے اور اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے۔

چونکہ ہمارے نزدیک یہ استدلال صحیح نہیں لہذا اگر کسی عورت کا حیض دس دنوں سے بڑھ جائے اور اس کی عادت معروف ہو تو اس کا حیض عادت کے مطابق ہو گا اور باقی استحاضہ ہو گا کیونکہ اگر حیض دس دن قرار دیا جائے تو اس سے عادت کا بدلتا لازم آئے گا اور اس پر کوئی دلیل نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی عورت استحاضہ کی حالت میں بدلتی ہوگی تو اس کا حیض دس دن ہو گا کیونکہ دس دنوں سے کم دنوں میں حیض اور استیضہ دونوں کا احتمال ہے لہذا اگر ہم حیض کے ختم ہونے کا قول کریں تو یہ بات بلا دلیل ہوگی البتہ دس دنوں سے زائد کو حیض نہیں مانا جائے گا کیونکہ اس سلسلے میں دلیل موجود ہے وہ یہ کہ حیض دس دنوں سے زائد نہیں ہوتا۔

سوال نمبر ۲۲۵: اس بات پر کوئی دلیل پیش کریں کہ استصحابِ حل سے کسی چیز کو دھوکا دیا جاسکتا لازم نہیں کیا جاسکتا۔

جواب: اس کی دلیل یہ ہے کہ مفقود الخیر کی وراثت تقسیم نہیں ہوگا گویا استصحابِ حل سے

استدلال کرتے ہوئے ہم نے اسے زندہ تصور کیا کیونکہ جب وہ گم ہوا تو زندہ تھا اور یہ صورت اس کے مال سے ورثہ کو دور کرنے کی ہے یعنی عدم دلیل سے غیر کے حق کو ختم کر دیا۔ لیکن اس کے کسی شے کے مرنے کی صورت میں وہ وراثت حاصل نہیں کرے گا کیونکہ اس کے زندہ ہونے پر کوئی دلیل نہیں یعنی یہاں عدم دلیل سے استدلال نہیں کیا جائے گا۔

ایک شبہ : امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے عدم دلیل سے استدلال کیا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا :
عَنْ عَمْرِو بْنِ خُثَيْمٍ رَأَى نَخْلًا تَحْتَهُ (نہیں کیونکہ اس سلسلے میں کوئی روایت نہیں۔ اور یہ عدم دلیل سے عدم حکم پر استدلال ہے۔

ازالہ شبہ : امام اعظم رحمہ اللہ نے اسے بطور دلیل پیش نہیں کیا بلکہ آپ نے عنبر میں خُثَم کے ہونا قیاس سے ثابت کیا اور بتایا کہ اس قیاس کے خلاف کوئی نص نہیں گویا آپ نے عدم قیاس کو عدم خُثَم پر دلیل کے طور پر نہیں بلکہ قیاس کے صحیح ہونے پر پیش کیا۔

یہی وجہ ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ نے آپ سے عنبر میں خُثَم کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اس میں خُثَم نہیں۔ امام محمد رحمہ اللہ نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ پھلی کی طرح ہے۔ انہوں نے عرض کیا پھلی میں خُثَم کیوں نہیں؟ تو آپ نے فرمایا وہ پانی کی طرح ہے اور اس میں خُثَم نہیں۔

گویا آپ نے عنبر میں خُثَم کا نہ ہونا عدم دلیل سے نہیں بلکہ قیاس سے ثابت کیا لہذا اعتراض صحیح نہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

الحمد للہ ! آج مورخہ ۱۷ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ بمطابق ۱۴ فروری ۱۹۹۰ء بروز جمعہ
یہ کتاب پایہ تکمیل کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت عطا فرما کر مفید عام بنائے۔ آمین۔

محمد صدیق ہزاروی

موضع چترہ۔ ڈاکخانہ چٹہ ٹبہ۔ تحصیل و ضلع مانسہرہ (ہزارہ)

علم حدیث میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمات

امام الاعظم، سرسبز اور مستند الفقہاء، مذاہب اربعہ کی بزرگوار حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ میں اللہ عزوجل نے علم و عمل کی تمام خوبیاں جمع کر دی تھیں، وہ میدانِ علم میں تحقیق و تدقیق کے شاہسوار، اخلاق و عادات میں لائقِ تقلید اور عبادت و ریاضت میں یگانہ روزگار تھے۔ مسائل فقہیہ میں ان کی سلطنت اور اجتہاد میں ان کا سکہ تو ہر ایک نے مانا ہے، البتہ بعض اہل بدعت، کوتاہ بین اور متعصب حضرات فنِ حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر نگاہ چینی کرتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ امام لوگ تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں، اس لیے ہم نہایت اختصار کے ساتھ علم حدیث کے فنِ روایت و درایت میں امام اعظم کا رتبہ اور مقام عظیم و دلائل اور مستحکم شواہد کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ ناواقف لوگ متعصبین کے جھوٹے پروپیگنڈہ سے محفوظ رہ سکیں۔

حق تو یہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ اسلامی علوم و فنون کے تمام شعبوں میں امام اور مجتہد تھے جس طرح وہ آسمانِ فقہ کے درخشندہ آفتاب تھے اسی طرح حقانہ و کلام کے افق پر بھی انہیں کا سورج طلوع ہوتا تھا اور روایت و درایت کے میدان میں ساجیت کا علم بھی انہی کا نصب کردہ ہے۔ فقہ میں یہ آب و رنگ انہی کے دم سے ہے اور فنِ حدیث میں یہ بہار انہی کی کاوشوں کا ثمرہ ہے، شافعی اور مالکی فقہ میں ان کے پروردہ ہیں اور صحاح ستہ کے شیوخ ان کے فیض یافتہ اور نہ ہوتے تو نہ فقہاء کو یہ عروج ہوتا اور نہ بخاری کو یہ مسلم کو یہ جوین نصیب ہوتا۔

فن حدیث میں امام اعظم کی بصیرت پر اجمالی نظر | امام اعظم نے اگرچہ بنیادی طور پر علم فقہ کی خدمت کی

ہے اور اپنی عمر کا تمام حصہ اسی میں صرف کیا ہے تاہم علم حدیث میں بھی ان کا نہایت

اور نچا مقام ہے۔ انہوں نے فاضل صحابہ اور اکابر تابعین سے احادیث کا سامع کیا۔ پھر ان روایات کے کامل علوم و احتیاط کے ساتھ اپنے کاغذ تک پہنچایا۔ امام اعظم چونکہ علم حدیث میں مجتہدانہ بصیرت کے حامل تھے اس لیے محض نقل روایت پر ہی اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ قرآن کریم کی تفصیلات صریحہ اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں روایات کی جانچ پڑتال کرتے تھے۔ راویوں کے احوال اور ان کی صفات پر بھی زبردست تنقیدی نظر رکھتے تھے اور کسی حدیث پر اعتماد کرنے سے پہلے اس کی سند اور متن کو پوری طرح پرکھ لیتے تھے۔

جو لوگ سوچے سمجھے بغیر یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام اعظم کو علم حدیث میں دسترس نہیں تھی وہ اس امر پر غور نہیں کرتے کہ امام اعظم نے عبادات و معاملات، معاشیات و عمرانیات اور قضایا و مقبولات کے ان گنت احکام بیان کیے ہیں، حیات انسانی کا کوئی گوشہ امام اعظم کے بیان کردہ احکام سے خالی نہیں ہے لیکن آج تک کوئی یہ ثابت نہیں کر سکا کہ امام اعظم کا بیان کردہ ظلال حکم حدیث کے خلاف تھا۔ امام اعظم کی مبارکت حدیث پر اس سے بڑھ کر اور کیا سند جو سکتی ہے کہ ان کا بیان کردہ ہر مسئلہ حدیث نبوی کے موافق اور ہر حکم سنت رسول کے مطابق ہے۔

بسا اوقات ایک ہی مسئلہ میں متعدد اور متعارض روایات ہوتی ہیں مثلاً نماز پڑھتے پڑھتے کوئی شخص رکعات کی تعداد بھول جائے تو بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ از سر نو نماز پڑھے، بعض روایات میں یہ ہے کہ وہ رکعات کو کم سے کم تعداد پر محمول کرے اور بعض میں یہ ہے کہ وہ خود دفعہ کر کے رائج جانب پر عمل کرے۔ اسی طرح سفر میں روزہ کے بارے



بیارگاہِ امامِ عظیم

نگینانِ شریعت حضرت نعمان بن ثابت

حدی خوانِ طریقت حضرت نعمان بن ثابت

سراجِ امت و مشکوٰۃ ملت، شعلِ قدرت

مہرِ چرخِ فقہیت حضرت نعمان بن ثابت

علم بردارِ سنت، نجاتِ اللہ، آیہِ رحمت

قطیعِ فضل و عیت حضرت نعمان بن ثابت

تفقہ میں بھی لائقانی تہذیب میں بھی لا ثانی

امامِ اہل سنت حضرت نعمان بن ثابت

سراپا و سعادتی، سرسرایمان و سنی گوئی

محکمِ علم و حکمت حضرت نعمان بن ثابت

رسولِ دوسرا نے جن کی آمد کی بشارت دی

وہی آقائے نعمت حضرت نعمان بن ثابت

ہوئی تہذیبِ علم شرعاً تائب جگہ ہاتھوں سے

وہ فرزندِ رسالت حضرت نعمان بن ثابت

الحَقَائِدُ وَالْمَسَلِكُ

الاستاذ محمد عبد القیوم الخزاردی
المفتی

مکتبہ تنظیم المدارس لاہور